ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۹۴
جلد: ۳۴ ، شمارہ: ۱۰

محرم ۱۴۳۸ھ = اکتوبر ۲۰۱۶ء

بدل اشتراک
- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA
Bank: ALLAHABAD BANK
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.21044906358
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	معاون مدیر	۶
۴-بناوٹی دینداری اور اس کی صورتیں	ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس	۸
۵-ام المؤمنین عائشہ صدیقہ.....	عبدالولی عبدالقوی	۱۵
۶-کامیاب استاد کی پہچان	ابوطلحہ محمد ابراہیم سلفی	۲۰
۷-براعظم افریقہ: نئے دور میں	ڈاکٹر عبدالتواب خان	۲۷
۸-اڑ گئے ہوش جوانی کا وہ عالم دیکھا	عبدالرحیم محمد یونس بنارسی	۳۱
۹-رشتوں کی الجھتی ڈور	نسیم اختر عبدالمجید سلفی	۳۶
۱۰-تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت...	طارق اسعد	۴۰
۱۱-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۳
۱۲-اخبار جامعہ	شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ	۴۴
۱۳-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

کلمۂ شہادت میں عبدیت کی بھی گواہی لی جاتی ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

"أشهد أن محمدا عبده ورسوله" یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس (اللہ) کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ نماز میں جب نمازی تشہد میں بیٹھتا ہے تو سب سے پہلے التحیات پڑھتا ہے پھر آپ ﷺ پر درود اور اس کے بعد دعا کرتا ہے۔ یہی دعا کے آداب ہیں۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی کے ساتھ آپ کے اللہ کا بندہ ہونے کی بھی گواہی دی جاتی ہے۔ یہ عقیدہ کا بہت ہی اہم حصہ ہے کہ اللہ کے حضور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے بندہ ہیں۔

عبد کا معنی ہوتا ہے بندہ یا غلام۔ اللہ معبود ہے جس کی عبادت کرنے والے کو عبد کہتے ہیں، محمد ﷺ بھی "عبد" یعنی اللہ کا بندہ وغلام ہیں۔ کفار مکہ آپ کو بندہ ہی تسلیم کرتے تھے، اس لیے آپ کی رسالت کے منکر تھے کہ اللہ کا پیغمبر انسان کے علاوہ فرشتہ ہونا چاہیے اور قرآن مجید کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ (سورہ بقرہ:۲۳) یعنی اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے کہ یہ کتاب جو میں نے اپنے بندہ پر اتاری (یہ ہماری نازل کردہ ہے یا نہیں) تو اس جیسی کوئی ایک سورۃ لے آؤ۔

سورہ حدید آیت نمبر ۹ میں فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ یعنی وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

سورہ کہف میں بھی اللہ نے آپ کو بندہ سے یاد کیا ہے، فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجَا﴾ (سورہ کہف:۱) یعنی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندہ پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے آپ کو مختلف مقامات پر "عبد" سے یاد کیا ہے تاکہ ہر کوئی یہ جان لے کہ آپ اللہ کے بندہ وغلام ہیں، جس طرح سے گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام جو اولاد آدم سے ہیں اللہ کے بندہ ہی تھے۔ بنی نوع انسان کو اللہ نے اپنا بندہ ہی کہا ہے۔ چاہے نیک ہوں یا گنہگار سب اللہ کے بندہ ہیں۔

اللہ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ﴾ (سورہ

زمر:۵۳) یعنی (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے دعا کرتے وقت کہا تھا: ﴿إِنَّکَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَکَ﴾ (سورہ نوح:۲۷) (اے اللہ) اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔

اور حضرت عیسی علیہ السلام کی زبانی یہ بات اللہ نے ذکر کی ہے: ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ﴾ (سورہ مائدہ: ۱۱۸) (اے اللہ) اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں۔

اسی طرح عبد کے مفہوم و معنی کو ذہن نشین کرنے کے لیے اس آیت پر بھی غور کریں: ﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ (سورہ کہف:۱۰۲) تو کیا یہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے یہ خیال رکھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا اولیاء (حمایتی) بنالیں۔ یاد رکھیں ہم نے ایسے کافروں کی ضیافت کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔

اللہ نے مزید وضاحت کی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ (سورہ اعراف:۱۹۴) واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔

جتنے انبیاء و رسولوں کی اللہ نے انسان کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا سب اللہ کے بندہ اور انسان تھے۔ سورہ انعام میں اللہ نے ایک ساتھ اٹھارہ نبیوں کو ان کے نام کے ساتھ اور ان کے علاوہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ﴿ذَلِکَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سورہ انعام:۸۸) یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر بالفرض یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔

کلمۂ شہادت کے "عبده ورسوله" کے لفظ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس گواہی سے اصل مقصود توحید باری تعالی کا اقرار ہے۔ یعنی ہم محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کریں تو ساتھ ہی ساتھ آپ کی عبدیت اور اللہ کا غلام ہونا بھی تسلیم کریں۔ اور یہ بات مضبوطی سے پکڑ لیں کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا علم، اس کی جلالت و عظمت کا اقرار، اس کی ربوبیت اور الوہیت پر یقین اور اس کو رب العالمین اور کونین کا خالق و مالک و مدبر تسلیم کرنے میں ہمارے پاس حصول علم کا جو راستہ، ذریعہ اور وسیلہ ہے وہ اس کے رسول ہی ہیں جو رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے عبد اور غلام بھی ہیں، یہ عبدیت کی بھی شہادت اس لیے ہے تاکہ کہیں سے شرک کے شائبہ کا خدشہ نہ ہو۔ عقیدۂ توحید میں تذبذب و شک نہ ہو اور ہم یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ محمد ﷺ بھی کچھ اختیار یا اتھارٹی رکھتے ہیں۔ اللہ اللہ ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول اور بندہ ہیں۔

☆☆☆

درس حدیث

آداب طعام

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنْتُ غُلَاماً فِي حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِيْ تَطِيْشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ، فَمَا زَالَتْ طِعْمَتِيْ بَعْدُ. (صحیح بخاری، ح:۵۳۷۶، صحیح مسلم مع النووی:۱۹۳/۵)

حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے زیر کفالت ایک بچہ تھا اور کھانے کے دوران میرا ہاتھ پیالہ میں گھوم رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے کہا: اے بیٹا بسم اللہ پڑھ اور دائیں ہاتھ سے کھا اور جو کھانا تجھ سے قریب ہے اسے کھا، اس کے بعد یہی میرا سدا طریقہ رہا۔

مذہب اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ایک جامع وشامل دین ہے، زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اس میں ہدایات موجود ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، حقوق، حدود، اخلاق اور آداب، آداب زندگی کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، لباس ان سب کی تفصیلات قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں موجود ہیں، چونکہ کھانا پینا انسانی زندگی کا لازمہ ہے، اس لیے اس کے آداب زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، ایک شخص جب کھانا کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھے تو اس کے لیے سب سے ضروری یہ ہے کہ جس ذات نے اسے خورد ونوش کی نعمتیں فراہم کی ہیں اس کا زبانی شکر بجالانے کے لیے بسم اللہ پڑھے یعنی میں اس اللہ کے نام سے اسے تناول فرمارہا ہوں جس نے یہ عطا کیا ہے، اگر وہ صرف بسم اللہ پڑھے تو کوئی حرج کی بات نہیں اور اگر وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تو یہ بھی جائز ودرست ہے۔

اگر کھانا کھانے والا شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو اور اسے دوران طعام یہ بات یاد آجائے تو درمیان ہی میں بسم اللہ أولہ وآخرہ پڑھ لے۔

بسم اللہ پڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے شیطان لعین کھانا کھانے والے کے ساتھ اس کھانے میں شریک نہیں رہتا، گویا شیطان لعین کی شرکت سے کھانا بے برکت نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا ذکر اس کا کھانا، ہضم کرنا اور جزء بدن بننا سب کو بابرکت بنادیتا ہے۔

اس حدیث میں جس دوسرے ادب کا ذکر کیا گیا ہے وہ پہلے ادب کی طرح ہی اہم ہے یعنی دائیں ہاتھ سے کھانا، اس لیے کہ بائیں ہاتھ سے مسلمان بلکہ انسان نہیں شیطان کھاتا ہے۔

اب اللہ کا کوئی بندہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا کر اپنے رب کو ناراض اور اس کے دشمن کو کیوں خوش کرے۔ علماء نے دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کو واجب قرار دیا ہے اور یہی راجح بھی ہے۔ اور یہی حکم پانی پینے کا بھی ہے۔ ہاں اگر کسی کے دائیں ہاتھ میں کوئی عارضہ ہو مثلاً ہاتھ شل ہو یا پٹی بندھی ہو اور اسے منہ تک لے جانا مشکل ہو تب ایسی صورت میں وہ شرعاً معذور ہے اور اس کا بایاں ہاتھ دائیں کا قائم مقام ہے۔

اگر کوئی شخص دائیں ہاتھ میں کھانا لگا رہنے کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے گلاس لے کر پانی پی رہا ہو تو اس کا ایسا کرنا بھی خلاف سنت ہے، اس لیے کہ یہ کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اس حکم کو ترک کر دے اور شیطان کے طریقہ پر عمل کرے۔

اس حدیث میں تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانا کھانے والا اس کھانے کو کھائے جو برتن میں اس سے قریب ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا برتن ہے اور کئی لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہوں اور پورے برتن میں ایک ہی قسم کا کھانا ہو یعنی ہر کھانے والے کے آگے ایک جیسا کھانا ہو تو ہر شخص اپنے آگے سے کھانا کھائے، اس لیے کہ دوسرے کے آگے سے کھانا کھانا ادب کے خلاف ہے اور اس میں اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ دوسرا اسے ناپسند کرے اور اس کی طبیعت میں تکدر پیدا ہو۔

ہاں اگر صورت مختلف ہے مثلاً چاول سب کے آگے یکساں ہے مگر گوشت کسی کے آگے ہے اور کسی کے آگے نہیں ہے تب اس کے لیے اسے دوسروں کے آگے سے لینا درست ہے۔ یا یہ کہ وہ کسی برتن میں تنہا کھانا کھا رہا ہو تب بھی اس کے لیے جائز ہے کہ کہیں سے بھی نوالہ اٹھائے۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ بیچ برتن سے نوالہ نہ اٹھایا جائے، اس لیے کہ برکت درمیان میں نازل ہوتی ہے جیسا کہ دوسری صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو اللہ کے رسول ﷺ کے ربیب یعنی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادہ تھے، کم سن ہونے کے باوجود جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں کھانے کے آداب کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں تنبیہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو ساتھ لے کر کھانا کھانا چاہیے اور کھانے کے دوران ان پر نظر رکھنی چاہیے اور خلاف شرع کسی کام پر پیار و محبت کے ساتھ تنبیہ بھی کرنی چاہیے تاکہ تربیت و تعلیم کا اہم فریضہ بھی اس سلسلہ میں ادا ہو جائے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

ایک نئی آزمائش

معاون مدیر

دستور ہند نمایاں خصوصیات کا حامل ہے اور ان خصوصیات میں مذہبی آزادی سب سے اہم ہے۔ ہر شخص اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا قانونی حق اور اختیار رکھتا ہے۔ وہ رائے عامہ کے خلاف اس میں ترمیم و مداخلت کا حق کسی کو نہیں دیتا۔

آزادی کے بعد سے لے کر اب تک بعض ایسے ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے جن کو بہانہ بنا کر اصلاح کے نام پر پرسنل لاء میں مداخلت کی کوشش کی گئی، لیکن ارباب حکومت و سیاسی مدبرین نے فہم و فراست کا ثبوت دیتے ہوئے ملک کے جمہوری ڈھانچہ کو باقی رکھا اور مسلم عوام کے اعتماد کو ٹھیس نہ لگنے دی۔

لیکن جب بھارتی جنتا پارٹی برسر اقتدار آئی تو اسی وقت سے یہ اندیشہ ظاہر کیا جانے لگا کہ اب یہ ملک کی سیاست کو ایک خاص رخ پر لے جائے گی اور آر ایس ایس کے ایجنڈوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے گی۔ ۲۰۱۵ء سے ہی سیاسی سطح پر اس قسم کے تلخ واقعات رونما ہونے لگے، جس نے اس اندیشہ کو مزید تقویت پہنچائی، چنانچہ گذشتہ مہینہ مرکز نے سپریم کورٹ میں ایک حلف نامہ داخل کیا جس میں اس نے طلاق ثلاثہ اور تعدد ازدواج سے متعلق اپنے اس موقف کی ترجمانی کی جو ملک میں رائج مسلم پرسنل لاء کے خلاف ہے۔ حکومت کے اس اقدام کی مسلم پرسنل لاء بورڈ اور دیگر مذہبی و ملی تنظیموں نے مخالفت کی اور اسے ملک کے جمہوری نظام پر حملہ قرار دیا، نیز اس کی قانونی چارہ جوئی کا بھی فیصلہ کیا۔ اب اس سلسلہ میں ملک کی عدالت عالیہ کا کیا موقف ہوتا ہے یہ تو آگے آنے والا وقت ہی بتلائے گا، لیکن پختہ سیاسی شعور رکھنے والوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس سے ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی راہ بھی ہموار ہوگی، حالانکہ یہ ملک کے آئین و مزاج کے یکسر خلاف ہے۔

مرکزی حکومت کے اس اقدام نے مسلمانان ہند کو اس طرح درد و کرب میں مبتلا کر دیا جیسے شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے ایک فیصلے نے آٹھویں دہائی میں پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو مضطرب کر دیا تھا، اس وقت مذہبی تنظیموں اور جماعتوں نے اپنے مسلکی اختلافات بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر آ گئے تھے، بالآخر حکومت کو جھکنا پڑا، وہی منظر آج پھر ہمارے سامنے ہے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم پر تمام مسالک اور مسلم تنظیموں کے نمائندے جمع ہو چکے ہیں، مخالف سیاسی جماعتیں اتر پردیش کے آئندہ انتخابات کے تناظر میں مسلمانوں کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتی ہیں، لیکن خاموشی سے کام بھی نہیں چلے گا، مرکزی حکومت کو مسلم خواتین کے مفروضہ ظلم و ستم کی اتنی ہی فکر ہے اور مسلمانوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو وہ مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پس ماندگی کو دور کرنے کی کوشش کرے، مسلمانوں کے خلاف محاذ کھولنے سے نہ ملک کا بھلا ہوگا اور نہ قوم کا، ایک ایسے ملک میں جس کی دلکشی اور حسن تکثیریت میں مضمر ہے، اسے ایک رنگ میں رنگنے کی کوشش نہ کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ اسے ملک و قوم کی خدمت

کہیں گے۔ یہ جمہوریت کی عزت وآبرو سے محض کھلواڑ ہے۔

سیاسی مبصرین کے اس اندیشہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے حکومت کی منشا غیر دین پسند مسلم حلقہ کی سیاسی ہمدردی وتائید حاصل کرنا ہے۔ بعض نام نہاد دانشوروان کے اس سلسلہ میں غیر دانشمندانہ بیان اسی اندیشہ کو تقویت فراہم کرتے ہیں ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کسی سیاسی پارٹی کے لیے تو اچھی ہوسکتی ہے، لیکن ملک کے لیے ہرگز اچھی نہیں۔ ملک میل محبت، اتفاق واتحاد اور رواداری سے ترقی کرتا ہے، کیا محبّ وطن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مذہبی تشخصات سے دست بردار ہوجایا جائے اور یکساں سول کوڈ کو اختیار کرلیا جائے؟ ملک کو آزادی کا تحفہ دینے والے سورماؤں کے ذہن میں ہرگز یہ تصور نہیں تھا، ورنہ شاید یہ ملک اب تک آزادی کی صبح کو ترستا رہتا۔ ایسی فکری روان عظیم قربانیوں کو فراموش بلکہ ان کی توہین کے مترادف ہے۔

ہم اپنی مرکزی حکومت اور تمام سرکردہ سیاسی ومذہبی رہنما سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بغیر کسی دباؤ کے ملک کے جمہوری نظام کو باقی رکھنے کی سعی کریں گے اور ایک مخصوص مذہب کے ماننے والوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر خواہ مخواہ نئے فتنہ کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔

ملک میں اس وقت ایک اور اہم مسئلہ موضوع بحث ہے۔ ستمبر کے اواخر میں ملک کے جانبازوں نے مقبوضہ کشمیر میں تین کیلو میٹر اندر جاکر سرجیکل اسٹرائک کو انجام دیا۔ حکومت نے اپنے اس اقدام کا باقاعدہ اعلان کیا اور پورے ملک نے حکومت کے اس اقدام کی ستائش کی، لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے متضاد خبریں آنے لگیں، ملک کے اندر سے اس حملے کے شواہد طلب کیے جانے لگے اور دوسری طرف اس اہم مسئلہ کو سیاسی رنگ دے کر بھی اس کی اہمیت کو کم کردیا گیا، یہ ہمارے ملک کے لیے بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ملک کی سلامتی اور دفاع سے متعلق بڑے فیصلے سیاست کی نذر ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات دباؤ کے نتیجہ میں بڑی اہم وخفیہ معلومات بھی منظر عام پر لانی پڑجاتی ہیں۔ یہ بات ملک کے حق میں قطعا مناسب نہیں۔

کاش کہ سیاسی پارٹیاں ہر مسئلہ پر سیاست نہ کریں، ملک کا دفاع اور اس کی سلامتی کے مسئلہ کو اپنے سیاسی مصالح پر ترجیح دیں اور حکومت بھی اس سلسلہ میں کسی سیاسی دباؤ کو خاطر میں نہ لائے اور نہ ہی ملکی سالمیت سے متعلق فیصلوں کو عوام کے سامنے پارٹی کے فیصلوں کی طرح پیش کرکے سیاست کی روٹی سینکی جائے۔ وطن سے محبت رکھنے والے ہر شخص کے دل کی یہی آواز ہے۔

☆☆☆

بناوٹی دینداری اوراس کی صورتیں

خطبہ حرم بتاریخ: ۱۱/ ۳/ ۱۴۳۶ھ = ۲/ ۱/ ۲۰۱۵ء

خطبہ: عالی جناب ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالعزیز السدیس
صدر اعلی رئاست عامہ برائے امور حرمین شریفین وامام وخطیب مسجد حرام

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس اُم القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

پہلا خطبہ:

یقینا ساری تعریف وثناء اللہ ہی کے لئے ہے، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں اوراسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں اورتعریف کرتے ہیں جو ہمیشہ سے تعریف وثناء کا حقدار ہے، وہ ذات پاک ہے، اسی کا شکر ادا کرتا ہوں، جس کی تسبیح و پاکی آسمان اوراس کے فرشتے، ستارے اوراس کے جہاں، زمین اوراس کے باشندگان، سمندریں اوراس کی مچھلیاں بیان کرتی ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہم کوایک روشن شریعت سے نوازا جوصاف ستھرا جاری چشمہ ہے جس نے اس کوظاہری وباطنی طور پر مضبوطی سے پکڑا تو وہ محفوظ رہا، کامیاب وکامران ہوا اورترقی کے منازل طے کئے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اوراس کے رسول ہیں جو کہ ظاہری اور باطنی طور پر مخلوق کے سب سے پاکباز اور پرہیز گار شخص ہیں، اللہ کی رحمت وبرکت نازل ہوآپ ﷺ پراورآپ ﷺ کے اہل وعیال پر جونسب اورسبقت کے اعتبار سے اچھے پاکیزہ اخلاق پر فائز تھے، اورآپ ﷺ کے صحابیوں پر جودین کی چوٹی کے بلندمرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، اورتابعین پر اور جوبھی احسان کے ساتھ قیامت کے دن تک ان کی اتباع کرے ان سب پر بہت زیادہ سلامتی ہو۔

حمد وصلاۃ کے بعد: اے بندگان الٰہی اللہ سے ڈروجیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے کیونکہ وہی بہترین اور باقی رہنے والا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} (توبہ 119 /) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے جان لو کہ اللہ کا تقوی سب سے اچھی نسبت ہے، جس کے ذریعہ ایک مکرم ومعزز انسان فخر کے موقع پر فخر ومباہات کا اظہار کرتا ہے، جب تو لوگوں سے تقوی کے بارے میں مسابقت و منافست کریگا تو دنیا سے گناہوں کے بغیر صحیح وسالم کوچ کریگا۔

اے مسلمانو! آج کل ہم ایک ایسے دور میں سانس لے رہے ہیں جو مادہ پرستی اوراس کے عروج وغلبہ، روحانیت کی پزمردگی، اس کی خشکی، اور بہت سارے اقدار وروایات کی بیخ کنی کا دور ہے، یہ ایک ایسا زمانہ ہے جس میں فکری تبدیلیوں اور اس کا زبردست سیلاب، ثقافتی لہروں اوراس کے اختلاف، صحیح دینداری سے لوگوں کا نکل جانا اوراس سے باز رہنے کا زمانہ

ہے،جس میں امت کے اندرایک ایسی آفت ومصیبت سرایت کرگئی ہے کہ خشک،بنجراورکھاری ہےجس نے کہ امت کوتھکا دیا ہےاوراس کوسخت تکلیف وکرب میں مبتلا کردیا ہے،اوراس کوضائع وبربادنیز کمزورکردیا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ اوراس کے رسول نے اس سے خبردارکیا ہے،اس کی مذمت کی ہے،اس کے بارے میں بہت زیادہ ناراضگی جتائی ہے، یہ چیز۔اللہ تعالی آپ سب کا حامی ہو۔مضبوط کڑا یعنی اسلام سے جدائی اختیارکرنا اورصاف ستھرے طریقہ سے دوری بنائے رکھنا ہے،ایسی غلط وکھوٹی دینداری کواختیارکرنا ہےجس میں اہم وافضل اورغیراہم کے درمیان خلط ملط ہوتا ہے،جس میں حقیقتوں،ثابت شدہ اوریقینی چیزوں کوچھوڑکرظاہری شکلوں پرتوجہ دی جاتی ہے،پس ایک قوم ایسی ہے جوکہتی ہےلیکن خودکرتی نہیں ہےاورایک دوسری قوم ایسی ہے جووہ کرتی ہےجس کا اسے حکم نہیں دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی جماعت!اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ انسان فطری طور پرایک سچے دین کا حاجتمند ہے، یہی وجہ ہے کہ ہماری شریعت میں روحانی اورجسمانی دونوں تقاضوں اوردلوں واعضاء کے کاموں کے درمیان مکمل توازن اور ہم آہنگی موجود ہےلیکن یقیناصحیح دینداری میں بہت بڑا حصہ اعمال قلوب یعنی دلوں کے اعمال اوراچھے کاموں کا ہے نہ کہ کثرت عمل کا،چنانچہ پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے:سن لوکہ بیشک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے جب وہ صحیح ودرست رہے گا تو پورابدن صحیح ودرست رہے گا اوراگروہ خراب ہوگیا تو پھر پورا جسم خراب ہوجائیگا،جان لوکہ وہ ٹکڑا دل ہے۔(بخاری و مسلم)،اورایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یقیناًاللہ تعالی تمہاری صورتوں اورجسموں کونہیں دیکھتا ہےلیکن وہ تمہارے دلوں اورعملوں کودیکھتا ہے،(مسلم)معلوم ہوا کہ دین اپنی ثابت شدہ چیزوں،اصول وضوابط اوراقداروروایات میں کسی طرح کا شک وشبہ پیدا کرنے یا کمی کرنے حتی کہ کچھ اضافہ کرنے کا قائل نہیں ہے،نہ ہی اس کوقبول کرتا ہے،اورکسی بھی عقلمندمسلمان کے لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ دین کی تنقیص یا عیب جوئی کرے کیونکہ وہی وہ اللہ کا دین ہےجس کواس نے اپنے بندوں کے لئے پسند کرلیا ہے،ارشادخداوندی ہے کہ آج ہم نے تمہارے لیےتمہارے دین کومکمل کردیااوراپنی نعمت کوتم پر کامل کردیااورہم نے اسلام کوتمہارے لئے ازروئے دین پسند کرلیا(مائدہ:۳)،لیکن دینی تعالیم کی نفاذ کے لئے انسانی سلوک وکردارکی حیثیت سے دینداری ایک ایسی چیز ہےجس میں بالغ مکلف لوگ اپنی عقلوں،جذبات،حالات اورماحول کے اعتبارسے جداجداہوتے ہیں،اوردین ودینداری کے درمیان یہی وہ فرق ہے جوہم پرلازم قراردیتا ہے کہ ہم دینداری کی تحریک کامراجعہ ان معاشروں اورفکری تبدیلیوں میں کریں جواس تحریک کے ساتھ پیش آیا ہے،ایک ایسے زمانہ میں جس میں دین کے نام پرعقلوں وفکروں کواغواکرنے کا بازارگرم ہے،جس میں عقائدواصول اورایجنڈوں کے درمیان کشمکش زوروں پر ہےجس کے نتیجہ میں سلوک وکردارمیں اختلاف وتضاد ہےاورفکری نسبتوں کا چلن ورواج ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ جب بھی ثابت شدہ اورتغیرپذیر چیزوں کے بارے میں گفتگوکی جائےتوشرعی ضوابط واصول کی اچھی معرفت ہو، کیونکہ دینی مسائل اور اس کے محکمات یعنی ٹھوس و پائیدارامورکوتنقید کا نشانہ بنانے کے لیے زیر بحث لانا بالکل مناسب نہیں ہے،اس کے برعکس

اعتدال وانصاف اورتحقیق کے بعد بعض سلوک وکردار کا چھوڑ دینا جائز ومقبول ہوسکتا ہے کیونکہ اُس سے برحق دین کی بدنامی ہوتی ہےاور یہ معصومیت اورتقدس کا حقدار نہیں ہے۔

اے اسلامی امت! آج کے اس دور میں جس میں اختلافات اورتفرقہ بازیاں زوروں پر ہیں، اور جو بحرانوں، جھگڑوں اورتنازعات سے شعلہ زن ہے غلط دینداری کے انواع واقسام کی کثرت وبھرمار ہے، اورگمراہی کی مختلف شکلیں بڑی ہوکے عام ہوگئی ہیں، اور یہ سب کچھ ان نفسانی خواہشات پرست لوگوں کی طرف سے ہورہا ہے جوغلو، تکفیر، تشدد، قتل و خونریزی، دھماکے، تباہی وبربادی اوراس کے علاوہ مختلف قسم کے خرافاتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جن سے اللہ اورآخرت کے دن پرامید رکھنے والا ہرمومن برأت کا اظہار کرتا ہے، اس طرح انھوں نے سونے کے طشت میں دشمنان دین کے لئے بہت عظیم سوغات پیش کی ہیں، اورامت کے لئے اللہ کے دین کی طرف دعوت کے بہت بڑے بڑے موقعے ضائع کردیئے، اور جن کے فخر وغروراور برے کاموں کی وجہ سے مخلوق کے ایک بڑے حصے کوتکلیف اٹھانی پڑی، اور یہ سب صرف اورصرف گمراہ متشدد فکراور ہلاکت خیز نادرغلو کی پیداوار ہے جوخفتہ اورسوئے ہوئے فتنوں کو جگاتا ہے، اور بھٹکے ہوئے توہم پرست طریقوں کو بیدار کرتا ہے، جس کا مقصد صرف حرام خون کا بہانا، ناحق قتل اورزمین میں سرکشی وجرم ہے، جس کی وجہ سے بہت سارے مفاہیم میں گمراہی پیدا ہوئی اور بہت سارے پاؤں اپنا راستہ بھٹک گئے، اوران لوگوں کے مددگار بن گئے جن کا مقصد مسلمانوں کی طاقتوں کا خاتمہ کرنا اوران کی شناخت کی خوبیوں کو مٹانا تھا، یہاں تک کہ نفسیاتی انحراف اورسماجی مشکلات دینداری کی شکل اختیار کرگئے جوشرعی قواعدوقوانین کے پابند نہیں تھے، پھرلوگوں کولڑائی وجھگڑوں کے مرکز اورفتنوں کی جگہوں کی طرف ڈھکیل دیا گیا، اسی وجہ سے ان کے پیشوا ذوخویصرہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی مبارک زبان سے یہ بلیغ وصف جاری ہوا ہے کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ نکلیں گے جن کی نماز کے آگے تم اپنی نماز کوحقیر جانوگے، اوران کے روزہ کے مقابلہ میں اپنے روزہ کو ہیچ سمجھوگے لیکن وہ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ یہ بخاری اورمسلم کی روایت ہے، لھذا لوگو اللہ تعالی تمھارا نگہبان ہوغورفرماؤ کہ ان کے طریقہ ومنہج کی گمراہی کی وجہ سے کثرت دینداری نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔

علاوہ ازیں لوگوں کا ایک دوسرا گروہ وہ بھی ہے جو مذکورہ پہلے گروہ کے برعکس ایک دوسرے ہی انتہاء وکنارے پر کھڑا ہے جوتشکیک، الحاد، بے دینی، بگاڑ اورفساد کی گندگیوں کا شکار ہوگیا ہے، یہ ایک بہت بڑے خطرہ کی پیشین گوئی ہے، اور جس کی آڑ میں ہمارے سخت دشمن مکروفریب کررہے ہیں، وہ ایک غمناک فکر اورزہریلی ذلت وتابعداری ہے جس نے انحراف وبرگشتگی کے لہروں کو درآمد کیا، اورجس نے تباہی وبربادی وافواہوں کے مسلکوں کو تیزی سے پروان چڑھایا، اور عقائدی وثقافتی شناخت کوچھین لیا اورہمارے افکار واقدار کو اچک لیا، پس اس چیز نے کئی جماعتوں اورفرقوں کو بگاڑ دیا، ان

کے افکار کو گندا کر دیا، ان کے عقائد کو خلط ملط کر دیا اور ان کو ان کے سماجی اقدار و روایات سے باہر نکال دیا، اور ان کو ان کے دینی واخلاقی اصول وضوابط سے دور اور بے بہرہ کر دیا، اور ان کو حیرت وتعجب، بربادی، شناخت کے ضائع ہونے، اور شکست خوردگی، تقلید، مغلوبیت، اور غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنے کی آندھیوں کے حوالہ کر دیا، جس کی وجہ سے ان میں سے بعض دوہرا پن اور تناقض کا شکار ہو گئے، اور ایسے جراتمندانہ افکار اور مسائل پیش کئے جن کا مقصد تشویش میں مبتلا کرنا اور بھڑکانا تھا، خصوصا ان معاشروں اور سوسائیٹوں میں جو دیندار اور اپنی اقدار و روایات کی حفاظت کرنے والی ہیں، جو ان کی عزت اور پاکدامنی کی راہوں کو ٹھیس پہونچاتا تھا، اور ان کے ادب وحیا کو مجروح کرتا تھا، اور اس کی اقدار ووقار کو متزلزل کرتا تھا، ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ ہمارے اوپر ان کو ملامت کرنا واجب ہے کیونکہ زمانہ میں صحیح وسالم، واقف اور جانکار اور بیمار و کمزور ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

جبکہ ان کا اپنا خیال ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور ان کا معاملہ بالکل صحیح ودرست ہے، حالانکہ وہ بعض منقولات سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور صحیح استنباط اور سالم استدلال سے غافل ہیں، ان کے اندر علم کی کمی ہے اور شاذ ونادر مسائل کا ان کو شوق ولگن ہے، اور ظاہر ہے کہ کتنے خیر وبھلائی کا ارادہ رکھنے والے اس تک پہنچ نہیں پاتے ہیں اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا} اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ (الکہف: ۱۰۴)

برادران اسلام! آج کے اس زمانہ میں ہماری امت مختلف قسم کے متضاد لہروں اور متفرق اور مختلف قسم کے آراء و افکار سے بھری ہوئی ہے جس پر نظر دوڑانے والا ایک شخص اس وقت حواس باختہ ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہماری ہی نسل وقوم کی چند جماعتیں خود ہی اس کی بنیاد کو توڑنے، اس کے ارکان کو جنبش دینے اور اس کی کشتی کو ڈبونے میں دوسروں کی مدد کر رہے ہیں، اور اب حالت یہ ہے کہ یہ دائمی وسرمدی امت جو اللہ کی ایک برگزیدہ امت ہے تاکہ وہ سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کے بعض فرزندان فکری وجماعتی جانبداری کو دین سمجھنے لگے اور متفرق جماعتوں، گروہوں اور مسلکی لہروں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور گوناگوں سیاسی اختلافات میں پڑ گئے ہیں جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کرو۔ (الانبیاء: ۹۲)

اے مسلمانو! ہماری درخشاں شریعت اپنے اصول وضوابط میں ان چیزوں پر مشتمل ہے جو انسانی ضرورت کے بالکل موافق اور مناسب ہے، اور جو ہر زمانہ اور ہر جگہ انسانی مصلحت ومفاد کا ساتھ دینے والا ہے، اور جو دنیا وآخرت دونوں میں انسانی مفادات کو پورا کرنے والا ہے، اور جس پر عمل پیرا ہونے کے لئے بہت زیادہ محنت، انتھک کوشش یا غلو یا تشدد یا اس کی خوبیوں کو چھوڑ دینے اور اس میں کوتاہی برتنے کی قطعا کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ان سب کے درمیان وسطیت اور اعتدال پر مبنی ہے، فرمان باری تعالی ہے: {وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً} اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط

بنایا ہے(بقرہ: ۱۴۳)، امام شاطبیؒ نے تحریر کیا ہے کہ ''شریعت اسلامیہ اپنے تقاضہ کے اعتبار سے مکلف بنانے اور ذمہ داری سونپنے میں درمیانی وعادلانہ راہ پر عمل پیرا ہے جس نے دونوں اطراف اور کناروں سے انصاف کے ساتھ اخذ کیا ہے جس میں کوئی میلان یا جھکاؤ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تم اس کے شرعی کلیات، اصول وضوابط پر غور کروگے تو پاؤگے کہ وہ اعتدال اور وسطیت پر مبنی ہیں، اور نظر آئیگا کہ وسطیت، درمیانہ پن اس میں بالکل واضح ہے اور اعتدال کا مسلک بالکل نمایاں ہے، اور یہی وہ اصل ہے جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور یہی وہ پناہ گاہ ہے جس کی طرف پناہ لیا جاتا ہے''۔

بعدازاں: اے توحید پرستو! جان لو کہ برحق دینداری وہ ہے جو صحیح نصوص اور مقاصد کے سلفی فکر وفہم میں پوشیدہ ہے، جو دین کے عدل وانصاف، رحمت، محبت، رواداری اور اعتدال پسندی کو اجاگر کرتا ہے، اور اس کے گردش کرنے والے ستارہ، اور اس کے رواں بابرکت نہر کی روشنی کو ظاہر کرتا ہے، اور جو انسانیت کی صلاح، درستگی، کامیابی اور رشد وہدایت کا ضامن ہے، جو مصیبتوں اور تکلیفوں کے شر سے نجات دلانے والا ہے اور جو انسانیت کو بغض وحسد، کینہ، کپٹ، عداوت ودشمنی کی دلدل سے نکال کے اخلاص وامن، وفاء ومحبت اور موافقت ودوستی کے بندرگاہ تک پہونچانے والا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

الحقُّ و العدلُ العظيمُ ورحمةٌ مثَّلنَ أمةَ أحمدٍ تمثيلاً

فاسأَل عن القِبطيِّ يأخُذُ ثأرَهُ من عمرو عاصٍ تلقَينَّ ذُهولاً

واقرَأ أبا بكرٍ يُوصِّي جُندَه لترى غريبًا في العُهودِ ضَئيلاً

حق، عظیم عدل وانصاف اور رحمت کی بہترین وشاندار نمائندگی تو صرف احمد یعنی نبی کریم ﷺ کی امت کرتی ہے، چنانچہ اس قبطی سے پوچھو جس نے عمرو بن عاص کے بیٹے سے اپنا انتقام لیا، ایک ایسا حادثہ جو حیران وششدر کردینے والا تھا، اور پڑھو کہ ابوبکر نے اپنے لشکروں کو لڑائی میں بھیجتے ہوئے کیا نصیحت کی تھی تا کہ تم عھد وپیمان کے میدان میں ایک انوکھا ونادر عھد وپیمان ملاحظہ کرو۔

چنانچہ اے اللہ کے بندو: اپنے دین کے ثابت شدہ چیزوں کو لازم پکڑنے میں اللہ سے ڈرو خاص طور سے فتنوں اور دین اسلام کی غربت کے اس دور میں اور عظیم چیلنجوں اور بڑے بحرانوں کے اس زمانہ میں، اور یہ تمام چیزیں ہرگز دین اور دین داروں پر حملہ کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں اور نہ ہی نیک مومنوں پر طعن وتشنیع ہیں، لہذا افواہ پھیلانے والوں اور سودا کرنے والوں نیز نیلامی بولنے والوں کی اشتعال انگیزی سے ہوشیار رہیں، اور گھات میں لگے ہوئے اور غرض پسندوں کے حملوں کی فتنہ انگیزی سے چوکنا رہیں، فرمان الہی ہے: {فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ} اے نبی پس صبر کیجیئے یقینا اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور وہ آپ کو ہرگز ہلکا نہ سمجھیں جو یقین نہیں رکھتے۔ (روم: ٦٠)

میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ بزرگ وبرتر سے اپنے لئے تمھارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہر طرح کے

گناہ سے مغفرت کا طالب ہوں،لہذا اسی سے مغفرت طلب کرو،اسی سے توبہ کرو بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ:

ہر قسم کی تعریف وثناء اللہ ہی کے لئے ہے،اور اللہ کے رسول پر درود وسلامتی ہو.

حمد وصلاۃ کے بعد: اے بندگان اللہ: اللہ سے خفیہ اور علانیہ طور پر ڈرو،اوراس کی تعریف بیان کرو اس بات پر کہ اس نے تمھارے لئے شریعت بنائی اور تم کو دین سے نوازا،لھذا اس دین کو ظاہری اور باطنی بدعتوں سے مت ملاؤ،تاکہ تم اللہ کی رضامندیاں اور عظیم احسانات سمیٹ لو۔

برادران ایمان: اور یقینا جو چیز ایک مرد مومن کو رلانے والی،اس کے دل کو غم واندوہ،تکلیف اور مصیبت سے بھر دینے والی ہے،وہ کچھ لوگوں کی بناوٹی وکھوٹی دینداری ہے جن کا ظاہر تو دیانت ہے لیکن وہ بوسیدہ بنیادوں سے مدد طلب کرتے ہیں اوران سے ضرورتوں کے برآنے کی امید رکھتے ہیں،اوراس کے علاوہ دوسری بہت سی شکلیں اور مظاہر ہیں جن کے پیچھے ایسی گندگیاں اور برائیاں چھپی ہوئی ہیں جن سے انسانی بدن کانپ اٹھتا ہے،اور ایسی بیماریاں اور امراض ہیں جو دین میں سوراخ کرنے والی ہیں،جو چند جماعتوں اور گروہوں کو ہلاکت خیز تاریکیوں کی ظلمت میں ڈھکیلنے والی ہیں،جنھوں نے دجل وفریب،مکاری وبکواس اور خرافات کی تصدیق کی،اور جنھوں نے دینی شعائر اور مذہبی علامتوں کو افسانوں اور خرافاتوں میں منحصر کردیا،اوران کے تمام تر افعال صحیح شریعت اور واضح طور پر عقل کے خلاف ہیں،اور انھوں نے دین کو صرف نعروں، رسموں،مظاہرات اور جلسہ جلوسوں محدود کردیا ہے جس پر اس امت کے سلف صالحین اور بہترین صدیوں کے لوگ عمل پیرا نہیں تھے،اور یہ بات بالکل پکی ہے کہ اس دین کے محبت کے نبض کی ترجمانی صرف اسی صورت میں ہوگی جبکہ خالص توحید، صحیح عقیدہ،قرآن کریم اور حدیث نبی کو مضبوطی سے پکڑا جائے،اور مخلوق کے افضل ترین انسان کے طاق سے ہدایت حاصل کی جائے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم نے تم کو ایک روشن وواضح راستہ پر چھوڑا ہے،جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے،میرے بعد جو بھی اس راستہ سے منہ موڑے گا وہ ہلاک وبرباد ہوجائیگا اور تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا،لھذا تم نے جو میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنتوں کو جانا ہے ان کو لازم پکڑو اوران کو اپنے داڑھ کے دانتوں سے دبالو،اور اطاعت وفرماں برداری کو لازم پکڑو اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو،کیونکہ ایک مومن اطاعت گذار وفرماں بردار اونٹ کی طرح ہوتا ہے جہاں کہیں بھی اس کو ہانکا جائے چلا جاتا ہے(ابن ماجہ نے اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے)۔

ایک عربی شاعر کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ ان سے صحیح ودرست محبت اوراس کی صفتوں کے بارے میں پوچھئے تو تم ان سے صحیح سچی خبروں کو سنو گے،جان لو کہ اس کے محبت کی حقیقت اس کے سنت کو دل،الفاظ اور افکار میں زندہ کرنا ہے۔

لہذا اب پوری امت پرواجب ہے کہ وہ دینی مفاہیم کوصحیح کرنے کی طرف مکمل توجہ دے، شرعی اصطلاحوں کوضبط کرے، اوراس کے اندر جوغلط اورشک وشبہ والی اصطلاحات درآئی ہیں ان کوان سے نکال باہر کرے، اور ہراس دعویدار کے پیچھے پڑے جوغلو برتتے اورسختی کرتے ہیں یا جوزیادتی اورکوتاہی کرتے ہیں، اوراس بارے میں فیصلہ کن چیزامت کے سلف صالحین کے سمجھ کے حساب سے قرآن وحدیث کے طرف واپسی ہے، جس کا بیان راسخ وماہر علماء کرام کرتے ہیں، کیونکہ یہ میراث نبوت کے امین علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک ایسا اسلامی منصوبہ تیار کریں جوامت اورخصوصا نوجوانوں کی جماعت میں دینداری کی راہ اوراس کے مسلک کوضبط اورکنٹرول کرتا ہو، تاکہ دین میں غلوکرنے والوں اوراس سے دوری بنائے رکھنے والوں کے درمیان دین کی بدنامی نہ ہو، کیونکہ دین کی حقیقی قیمت اورویلوصحیح دین میں پوشیدہ ہے جوکہ لوگوں پرلگام لگاتا اوران کوکنٹرول کرتا ہے، اوردلوں کے غلاف پرسب سے عزیز ومحبوب پودا ہوتا ہے۔ ارشادربانی ہے: {قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ} اے نبی لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگرتم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی کروالله تم سے محبت کریگا، اورتمہارے گناہوں کوبخش دے گا، وہ بڑا معاف کرنے والااوررحیم ہے(آل عمران:۳۱)

اوراب۔ اللہ تعالی آپ سب پررحم فرمائے۔ اپنے محبوب، برگزیدہ اورمنتخب رسول پردرود وسلام بھیجئے جیسا کہ تمھارے بلندوبرتر رب نے تمھیں اس کاحکم دیا ہے، ارشاد ہے: بیشک اللہ اوراس کے فرشتے نبی پردرود بھیجتے ہیں لہذا اے ایمان والوں تم بھی ان پربکثرت درودوسلام بھیجو(احزاب:۵۶)

ایک شاعر کہتاہے:

وصـــلِّ إلهي وسلِّم ســــلامًا　　　على أفضلِ الخلقِ ماحِي البِدَع

وآلٍ وصحبٍ وأهلِ صلاحٍ　　　ومن سارَ في دربِهِم واتَّبَع

اے الہی تومخلوق کے سب سے افضل شخص اور بدعتوں کے مٹانے والے پردرود وسلام نازل فرما، اوران کے اہل خاندان پر، صحابیوں پر، پرہیزگاروں پراوران سب پرجوان کے راستہ پرچلنے والااوران کی پیروی کرنے والا ہے۔

+++

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت
کا
ایک مختصر تحقیقی جائزہ

(قسط:۴) عبدالولی عبدالقوی/ داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط، سعودی عرب

(۱۰) عائشہ رضی اللہ عنہا اور ستر وحجاب:

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوری زندگی ستر وحجاب اور حشمت ووقار کو لازم پکڑا، بے حجابی سے انھیں شدید نفرت تھی، بیان کرتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد میرے پاس ابوالقعیس کے بھائی افلح آئے، میں نے انھیں اندر آنے کی اجازت نہ دی، جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: افلح تمہارے رضاعی چچا ہیں، ان کے بھائی ابوالقعیس کی بیوی نے تمہیں دودھ پلایا ہے، انھیں آنے کی اجازت دو۔ (بخاری ۴۷۹۶، مسلم ۱۴۴۵)

عائشہ رضی اللہ عنہا زندوں سے کیا فوت شدہ اشخاص تک سے پردہ کرتی تھیں، بیان کرتی ہیں: میں اپنے حجرہ میں جب تک اسمیں میرے شوہر اور والد دفن تھے عام کپڑوں میں آیا جایا کرتی تھیں، لیکن جب اس میں عمر رضی اللہ عنہ دفن کردئے گئے تو ان سے شرم وحیا کی وجہ سے میں پردہ کے ساتھ جاتی تھی۔ (مسند احمد ۴۲/ ۴۴۰، مستدرک حاکم ۳/ ۶۳، امام ہیثمی رحمہ اللہ نے ''مجمع الزوائد ۸/ ۲۸'' میں کہا: یہ روایت صحیح، بخاری ومسلم کی شرط پر ہے)

(۱۱) عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام:

عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عظیم علمی مقام کی حامل تھیں، رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور ان کی بلا کا ذہانت نے انھیں ایک یگانہ روزگار عالمہ بنادیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد وہ صحابہ کرام کے لئے ایک علمی سرچشمہ کی حیثیت رکھتی تھیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک بڑی تعداد میں احادیث روایت کیا ہے جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے، صحابہ کرام کو جب شریعت کا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب رجوع کرتے اور اس کا تشفی بخش جواب پاتے۔

جیسا کہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کو جب بھی کسی حدیث کے بارے میں اشتباہ ہوتا تو ہم عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کے بارے میں تشفی بخش جواب پاتے۔ (ترمذی ۳۸۸۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح وضعیف الترمذی ۸/ ۳۸۳، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء للذہبی ۳/ ۴۵۴)

قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب علم تھیں، اکابر صحابہ ان

سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔(الطبقات الکبری لابن سعد۲/۳۷۴)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کتاب وسنت اور شعر وفرائض کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو علم رکھنے والا نہ دیکھا۔ (الادب لابن ابی شیبہ ص ۳۶۵)

امام زہری رحمہ اللہ جو تابعین کے پیشوا تھے جن کو متعدد صحابہ کے تلمذ کا شرف حاصل تھا فرماتے ہیں: اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم اور ساری خواتین کا علم اکٹھا کیا جاتا، تو عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم زیادہ ہو جاتا۔(دیکھئے: السنۃ للخلال ۷۵۳، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۹۹، مستدرک حاکم ۴/۱۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: میں امت محمدیہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ علم رکھنے والا رہا ہو۔ (دیکھئے: سیر اعلام النبلاء للذہبی ۲/۱۴۰)

ایک شخص نے مسروق تابعی سے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے، پوچھا: کیا عائشہ رضی اللہ عنہا بحسن خوبی فرائض کا علم رکھتی تھیں؟ تو مسروق رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کی قسم: میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل دریافت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/۱۸۱، الطبقات الکبری لابن سعد ۲/۲۸۶، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱/۵۶)

اسی علمی قدر ومنزلت کی وجہ سے صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور مرد وخواتین عراق، شام اور جزیرۃ عربیہ کے مختلف خطوں سے جوق در جوق آئے اور اس آب زلال سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔

(۱۲) واقعہ افک:

عائشہ رضی اللہ عنہا خیر البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی شفقتوں اور محبتوں کے سائے تلے ایک سعادت مند ازداوجی زندگی بسر کر رہی تھیں کہ اتنے میں منافقوں نے ان پر ایک جھوٹی تہمت رچی (نعوذ باللہ) جس کے غم نے انھیں نڈھال کر کے رکھ دیا، ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان سن ۵ یا سن ۶ ہجری میں غزوہ بنو المصطلق کے لئے روانگی کا ارادہ فرمایا، آپ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر میں جاتے ہوئے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے جس کا نام نکل آتا وہ ہم رکابی کے شرف سے ممتاز ہوتیں، اس غزوہ میں قرعہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا اور آپ ﷺ انھیں اپنے ہمراہ لے گئے، غزوے سے واپسی میں قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں، جب لوٹیں تو دیکھا کہ گلے میں وہ ہار نہیں ہے جو اپنی بہن اسماء سے عاریۃ مانگ کر پہننے کے لئے لے گئی تھیں، فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار غائب ہوا تھا، اسی دوران وہ لوگ آئے جو آپ کا ہودج اونٹ پر لادا کرتے تھے انھوں نے سمجھا کہ آپ ہودج کے اندر تشریف فرما ہیں اس لئے اسے اونٹ پر لاد دیا اور انھیں ہودج کے ہلکے پن کا احساس اس لئے نہیں ہوا کہ اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا دبلی پتلی انتہائی ہلکی تھیں، نیز چونکہ ہودج کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا تھا اس لئے بھی انھیں اس کے ہلکے پن کا احساس نہ ہوا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا ہار ڈھونڈ کر جب قیام گاہ پر پہنچی تو پورا لشکر جا چکا تھا اور میدان بالکل خالی پڑا تھا، وہ اس خیال سے

وہیں بیٹھ گئیں کہ رسول اللہ ﷺ جب انھیں یاد کریں گے تو پلٹ کر وہیں تلاش کرنے کے لے آئیں گے، ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ وہیں سوگئیں، صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو ساقہ (ریر گارڈ) یعنی چھوٹے چھاٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے، صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہاں دیکھ کر ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' پڑھا، یہ آواز سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوگئیں، صفوان رضی اللہ عنہ نے انھیں اس لئے پہچان لیا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھیں دیکھا تھا، انھوں نے اونٹنی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب بیٹھادی وہ اس پر سوار ہوگئیں، صفوان رضی اللہ عنہ نے انا للہ کے سوا زبان سے ایک لفظ نہ نکالا، چپ چاپ سواری کی مہار تھامی اور پیدل چلتے ہوئے لشکر میں آ گئے، یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، اللہ کے دشمن خبیث عبداللہ بن ابی کو بھڑاس نکالنے کا ایک اور موقع مل گیا، چنانچہ اس کے دل میں نفاق اور حسد کی جو چنگاری سلگ رہی تھی، اس نے اس کرب پنہاں کو عیاں کیا یعنی بدکاری کی جھوٹی تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننا اور تہمت کے خاکے میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، نیک دل مسلمانوں نے اس افواہ کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا: ''سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم'' اے اللہ تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ سے واپسی کے بعد بیمار پڑ گئیں اور مسلسل ایک ماہ تک بیمار رہیں، انھیں اس تہمت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا، البتہ انھیں یہ بات کھٹکتی تھی کہ بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو لطف وعنایت ہوا کرتی تھی اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی، بیماری ختم ہوئی تو وہ ایک رات ام مسطح کے ہمراہ قضائے حاجت کے لئے میدان میں گئیں، اتفاق سے ام مسطح اپنی چادر میں پھنس کر پھسل گئیں، اس پر انھوں نے اپنے بیٹے مسطح کو بددعا دی، عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک بدری صحابی کو گالی دیتی ہو، اس پر مسطح کی ماں نے یہ بتلانے کے لئے واقعہ کہہ سنایا کہ مسطح بھی اس پروپیگنڈہ کے جرم میں شریک ہے، سنتے ہی پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، واپس آ کر خبر کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ سے والدین کے پاس جانے کی اجازت چاہی، اجازت پا کر والدین کے پاس تشریف لے گئیں، ماں سے پوچھا انھوں نے تسلی دی، اتنے میں ایک انصاریہ آ گئیں انھوں نے پوری داستان دہرائی، اب جب یقینی طور پر علم ہوگیا تو بے اختیار رونے لگیں، پھر دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گیا اس دوران نہ تو انھیں نیند آئی اور نہ آنسو رکے، یہ محسوس کرتی تھیں کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے کلمہ شہادت پر مشتمل خطبہ پڑھا اور اما بعد کہہ کر فرمایا: اے عائشہ! اگر تم بری ہو تو اللہ تعالی عنقریب تمہاری براءت ظاہر کر دے گا اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے تو اللہ سے مغفرت مانگو اللہ قبول فرمائے گا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین کو اشارہ کیا کہ آپ ﷺ کو جواب دیں، لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا، پھر ان الفاظ میں خود گویا ہوئیں: اگر میں اقرار کرلوں - حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں - تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا؟ اور اگر انکار کروں - حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں - تو لوگ کب باور کریں

گے، میرا حال اس وقت یوسف علیہ السلام کے والد کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸)

صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔

یہ کہہ کر عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری طرف جا کر لیٹ گئیں، اب عالم غیب کی زبان گویا ہوئی، آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور گویا ہوئے، اے عائشہ! اللہ نے تمہاری براءت نازل فرمادی اور ان آیات کی تلاوت کی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ.....﴾ (نور:۱۰)

جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں، تم اس کو برا نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی (کہ مؤمنین اور منافقین کی تمیز ہوگئی) ہر شخص کو اس کے حصہ کے مطابق گناہ اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس پر بڑا عذاب ہوگا.....۔

اس پر (خوشی سے) ان کی ماں بولیں، عائشہ! حضور ﷺ کی جانب اٹھو اور ان کا شکریہ ادا کرو، عائشہ رضی اللہ عنہا نے نسوانی ناز و انداز کے ساتھ جواب دیا میں صرف اپنے رب کی شکر گزار ہوں کسی اور کی ممنون نہیں۔

اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو اسی اسی کوڑے مارے گئے البتہ خبیث عبداللہ بن ابی کی پیٹھ سزا سے بچی رہی حالانکہ تہمت تراشوں میں وہی سرفہرست تھا تاکہ اس کا اخروی عذاب مکمل رہے اس میں تخفیف نہ ہو۔

اس طرح ایک مہینہ کے بعد مدینہ کی فضا شک وشبہے اور قلق واضطراب کی بادلوں سے صاف ہوگئی اور عبداللہ بن ابی اس طرح رسوا ہوا کہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکا۔ (دیکھئے: بخاری ۳/۱۷۳، ۵/۸۶، ۵/۱۱۶، ۶/۷۶، ۹/۱۱۳، سیرۃ ابن ہشام ۲/۲۹۷-۳۰۵، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/۳۰۴-۳۰۹، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ۲/۷۸-۸۱)

(۱۳) نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تراشی کرنے والے کا حکم:

صحابیات کی فہرست میں عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت جملہ امہات المؤمنین داخل ہیں، چنانچہ جن احادیث میں بھی صحابہ کو برا بھلا کہنے سے روکا گیا ہے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت جملہ امہات المؤمنین کو شامل ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تسبوا أصحابی فلو أن احدکم أنفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه"

میرے صحابہ کو گالی مت دو، اگر تم میں کا کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، پھر بھی ان کے ایک مد یا آدھا مد

خرچ کئے کے برابر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ (بخاری ۳۶۷۳، مسلم ۲۵۴۰)

چنانچہ کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی صحابی رسول یا نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت قرآن کریم میں نازل ہوچکی ہے، اب اگر اس کے بعد کوئی شخص ان کی بابت شک کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۷/ ۱۱۷)

امام ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنے والا اللہ کو جھٹلانے والا ہے اور جو اللہ کو جھٹلائے وہ کافر ہے۔ (احکام القرآن لابن العربی ۳/ ۳۶۶)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کرنے والے کے کافر ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ (زاد المعاد ۱/ ۱۰۶)

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت شک کرنے والا کافر مرتد ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۳/ ۲۳۵)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورہ نور کی ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں جن میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان ہے، علماء کا اتفاق ہے کہ جو شخص نزول براءت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہے یا ان پر الزام تراشی کرے تو وہ کافر ہے کیوں کہ وہ قرآن کریم کا دشمن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۲۸۷)

(۱۴) رسول اللہ ﷺ کا انتقال:

ابھی عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے، ۲۹ صفر سن ۱۱ ہجری بروز دوشنبہ آپ ﷺ ایک جنازہ میں بقیع تشریف لے گئے، واپسی پر راستہ میں دردسر شروع ہوگیا اور حرارت اتنی تیز ہوگئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی، یہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز تھا، آپ ﷺ کی طبیعت روز بروز بوجھل ہوتی جارہی تھی، اس دوران آپ ﷺ ازواج مطہرات سے پوچھتے رہتے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ اس سوال سے آپ ﷺ کا جو مقصود تھا ازواج مطہرات سمجھ گئیں، چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، اس کے بعد آپ ﷺ فضل بن عباس اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہوگئے، پھر نزع کی حالت شروع ہوگئی، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں میری باری کے دن میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے وفات پائی۔

یہ واقعہ بارہ ربیع الاول سن ۱۱ ہجری یوم دوشنبہ چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۳ سال چار دن ہوچکی تھی۔ (بخاری ۴۴۵۱، مسلم ۲۴۴۳، رحمۃ للعالمین ۲۷۷ تا ۲۸۶، سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۶۴۲، السیرۃ النبویۃ کما جاءت فی الأحادیث الصحیحۃ ۴/ ۲۸۴) ☆

(جاری)

کامیاب استاد کی پہچان

ابوطلحہ محمد ابراہیم سلفی

نوجوانوں کی ذہنی وفکری تربیت اوراس کی افادیت ہر زمانے میں رہی ہے اور رہے گی، کسی بھی قوم کی پہچان اس کے نوجوانوں کے کردار پر منحصر ہوتی ہے، اسی اہمیت کے پیش نظران کی اعلی سطحی تربیت بھی ناگزیر ہے، اوراس کا دارومدار اساتذہ پر ہے، وہ چاہیں تو اپنی محنت ولگن سے بچوں کو مؤدب، مہذب بنا سکتے ہیں اور تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے ایک اچھا انسان تیار کر سکتے ہیں۔ یہی ایک کامیاب اوراچھے استاد کی شناخت ہے۔

ذیل میں ہم نے اچھے وکامیاب استاد کی پہچان کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ تعلیم وتعلم سے جڑے اشخاص اس پر توجہ مرحمت فرمائیں گے۔

طلبا میں خوداعتمادی کو پروان چڑھانا:

ایک اچھے استاد کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ طالب علم کے اندر خوداعتمادی کو فروغ دیں، انھیں سمجھائیں کہ اس دور میں اپنے آپ کو پہچاننے کی ضرورت ہے، خاص طور سے کمزور طلبا پر دھیان دیں اور انھیں اپنے آپ سے مایوس نہ ہونے کی تلقین کریں، اور ممکن ہو تو اپنے کمرے میں بلائیں یا کلاس روم سے باہر ان کے اعتماد کو بحال کریں، ایسے علما کی تاریخ سے انھیں آگاہ فرمائیں جو بہت ذہین تو نہیں تھے لیکن خوداعتمادی کے ذریعہ اعلی مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے یا ایسے علماء کی سوانح پر کوئی کتاب ہو تو اس کی طرف رہنمائی کریں اور اسے پڑھ کر نصیحت حاصل کرنے پر زور دیں، کیوں کہ عموما یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو طلبا پڑھائی میں کمزور ہوتے ہیں وہ بے اعتمادی کا شکار ہو کر پڑھائی سے اپنا رشتہ توڑ کر دوسرے کاموں سے جڑ جاتے ہیں، استاد کی رہنمائی سے ہوسکتا ہے ایسے طلبا کی زندگی میں کوئی نیا موڑ آجائے اور ان کی زندگی سدھر جائے۔

طلبا سے احساس کمتری کو دور کرنا:

انسان کی اکثریت کو یہ مرض لاحق ہے کہ جب اس کو کسی چیز میں ممکنہ کامیابی نہیں ملتی اور پہلے سے سوچی ہوئی اسکیم کے تحت کام نہیں بنتا تو تھک ہار کر بیٹھ جاتی ہے اور اس احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہے کہ اب وہ اپنے مشن میں ناکام ہوگئی، یا یہ سوچنے لگتی ہے کہ وہ اس کام کے لائق ہی نہ تھی، یا پھر اس کے ذہن میں یہ خیال گردش کرنے لگتا ہے کہ فلاں نے تو اتنی محنت سے پڑھا تھا پر اب تک دردر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے اور اب تک کوئی مناسب جگہ نہیں ملی، یہ اور اس طرح کے خیالات طلبا کے اذہان کو اکثر کچوکے لگاتے رہتے ہیں اور ان کے مستقبل کو تاریک کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں، بعض طلبا ان ہی خیالات وتفکرات میں پڑ کر روشن زندگی کی ڈور کو اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹ دیتے ہیں۔

لہذا ایسے موڑ پر اساتذہ کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، اچھے استاد کی پہچان یہ ہے کہ طلبا کے اندر سے ان خیالات کو رفع کریں اور احساس کمتری کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور محنت ومشقت سے آگے بڑھنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ انہیں اطمینان بھی دلائیں۔

جہد مسلسل کا سبق پڑھانا:

مدارس اسلامیہ اور عصری جامعات میں زیادہ تر طلبا نے صرف امتحانی ایام یا اس سے چند دنوں قبل سے پڑھنے اور تیاری کرنے کو اپنا معمول بنالیا ہے، بہت کم طلبا ایسے ہوتے ہیں جو سال کے سارے ایام کو غنیمت جان کر منصوبہ بندی کے ساتھ محنت کرتے ہیں اور امتحان میں اچھے نمبرات کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں، جب کہ حصول علم کی راہ میں جہد مسلسل کی جو اہمیت وافادیت ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، طلبا خواہ اس کی اہمیت سے واقف ہوں یا نہ ہوں، ایک کامیاب استاد ومربی کی شناخت یہ ہے کہ وہ طلبا کے سامنے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر گفتگو کریں اور کلاس میں جوش دلائیں اور جہد مسلسل کی تاکید کریں، ہوسکتا ہے کسی طالب علم کے دماغ میں بات بیٹھ جائے اور وہ اس پر عامل ہوجائے اور اس کی زندگی سدھر جائے، نصیحت کی کامیابی کے لیے ضروری نہیں کہ سارے لوگ عامل ہوجائیں بلکہ اگر ایک شخص بھی مان گیا اور عمل شروع کردیا تو نصیحت کامیاب مانی جائے گی، اچھے استاد کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے۔

فن سے دل چسپی ہونا:

کسی بھی فن کے عروج وزوال میں اس سے دل چسپی یا عدم دل چسپی کو بڑا دخل ہوتا ہے، ایک ادنی سی چیز اور حقیر سا فن بھی اگر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے تو اس فن کی بلند پروازی یقینی ہوجاتی ہے، تدریس کا عمل ہی ایسا ہے کہ اس سے منسلک لوگوں کو دل چسپی دکھانی چاہیے، اور ہر مدرس کو وہی فن اختیار کرنا چاہیے جس میں ان کو دل چسپی ہو اور اپنی دل چسپی کا اظہار حقیقت کے آئینے میں کریں تاکہ انتظامیہ کو کتاب کی تقسیم میں سہولت ہو، بہت سے مدرسین ایسے ہوتے ہیں جو اپنی شہرت کو پر لگانے کی خاطر کسی اہم فن سے جھوٹی دل چسپی کا اظہار کرتے ہیں، جب وہ فن ان کے سپرد کردیا جاتا ہے تو طلبا کی زندگی پر ذرا بھی رحم نہیں کھاتے اور یوں ہی یہ اہم فن وقت گزاری کی نذر ہوجاتا ہے۔

لہذا قابل استاد کی پہچان یہ ہونی چاہیے کہ جو فن ان کے سپرد ہو اس کا کما حقہ حق ادا کرنے کی کوشش کریں اور یہ کام اس فن سے دل چسپی کے بغیر ناممکن ہے۔

ضرورت مطالعہ پر زور دینا:

اساتذہ کو چاہیے کہ خود بھی مطالعہ کرکے آئیں اور طلبا کو بھی اس پر آمادہ کریں۔ استاد، فن کا خواہ کتنا بھی ماہر ونابغۂ روزگار ہو، پڑھائے جانے والے سبق کا بغور مطالعہ ضرور کرے، کیوں کہ مطالعہ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے، علم مستحکم ہوتا ہے، معلومات میں پختگی آتی ہے، استاد کلاس میں داخل ہوتے وقت اپنے آپ کو خود اعتماد سمجھتا ہے، جس سے

مطمئن ہوکر پڑھانے میں مدد ملتی ہے اور حلاوت وچاشنی محسوس ہوتی ہے، جب کہ بغیر مطالعہ کے پڑھانے سے حلاوت ومٹھاس سے محروم رہتا ہے اور طلبا کے روبہ رونروس نظر آتا ہے، لہذا اساتذہ کو چاہیے کہ اپنی عزت نفس کا خیال رکھیں اور مطالعہ پر خاص دھیان دیں تاکہ کلاس میں ان کا وقار قایم رہے اور طلبا کو مطمئن کرسکیں۔

حالات وظروف شناسی:

ہر اہم کام میں حالات وظروف شناسی کو خاص اہمیت حاصل ہے، تو بھلا تعلیم وتعلم سے جڑے مسائل کو کیوں کر اس سے الگ کیا جاسکتا ہے، طلبا کے تعلق سے حالات شناسی بھی ایک کامیاب استاد کی پہچان ہے، کبھی کبھی ایک ہی نوعیت کی غلطی پر طالب علم کی حالت کی تبدیلی کی وجہ سے الگ الگ سزا تجویز کی جانی چاہیے، مثلا: ایک طالب کی رہائش قریب ہے اور دوسرے کی اس سے دوری پر، اور دونوں نے کلاس میں یکساں تاخیر سے قدم رکھا تو استاد پر ضروری ہے کہ تاخیر کی وجہ جاننے کی کوشش کریں، اگر دونوں طالب علم تاخیر کی وجہ ٹرافک کو بتائیں تو دور والے کے ساتھ تخفیف کا پہلو غالب رہے، اگر یہی غلطی اس سے بار بار سرزد ہورہی ہو اور قریب والے سے کبھی کبھار، تو قریب والے سے زیادہ اسی دور والے پر سختی کی جائے، اسی طرح طلبا سے متعلق دیگر امور میں بھی حالات کا خیال رکھا جانا چاہیے، دوسرے لفظوں میں اس کو معاملہ شناسی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، یعنی معاملہ شناسی بھی اچھے اور کارآمد استاد کی کلیدی صفت ہے۔

باحوالہ گفتگو:

استاد خواہ کلاس میں ہو یا کلاس سے باہر، طالب علم کے سوال سے متعلق گفتگو ہو یا اپنی طرف سے کہی جانے والی بات ہو، ہوائی اور فضائی نہ ہو، بلکہ سنجیدہ اور باحوالہ ہو، اس سے استاد کو شخصیت سازی میں مدد ملے گی اور طلبا زیادہ سے زیادہ مستفید بھی ہوں گے، عصر حاضر کے طلبا اس معاملہ میں بہت حساس ہوتے ہیں، وہ پڑھائی میں کتنی دل چسپی لیتے ہیں یا نہیں اس سے قطع نظر استاد کی خوبی اور خامی پر گہری نظر رکھتے ہیں، لہذا استاد کو بھی حساسیت کا دامن تھامے رکھنا چاہیے۔

ذمہ داری کو بوجھ نہ سمجھیں:

کام کوئی بھی ہو اگر کرگزرنے کا جذبہ ہو تو اس کو اپنی ذمہ داری سمجھیں اور بوجھ سمجھنے کی غلطی ہرگز نہ کریں، جب انسان کسی کام کو کرنے سے پہلے ہی بوجھ سمجھنے لگتا ہے تو اس کی سوچ کی رسی ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور کام کی اہمیت پر سستی کاہلی کا دبیز پردہ پڑ جاتا ہے، اور پھر بعد میں جب وقت نکل جاتا ہے، قوی جواب دے چکا ہوتا ہے تو اندر کا ضمیر اس کو جھنجھوڑتا ہے، ملامت کرتا ہے اور سخت سست کہتا ہے، لیکن اب کیا، اب تو کام کرنے کی صلاحیت بھی کھو چکا، ساری زندگی ختم ہوچکی۔ لہذا ذی شعور استاد کو چاہیے کہ تدریس کے عمل کو ذمہ داری سمجھیں، بوجھ نہیں، آیندہ چند سالوں میں ان شاءاللہ اس کا فائدہ جھلکتا نظر آئے گا۔

وقت کی پابندی:

دنیا میں کون استاد ایسا ہے جو وقت کی اہمیت سے واقف نہیں، سبھی اس بات کے قائل ہیں کہ وقت تیز دھار دار تلوار

ہے، اس کو کاٹنے کی کوشش کرو نہیں تو وہ تمہیں کاٹ دے گی۔ جی! یہ بالکل درست ہے کہ دنیا کے سارے لوگ بھی اگر مل کر وقت کی رفتار ایک سکنڈ بھی روکنا چاہیں تب بھی سب کو مات دے کر وہ آگے بڑھ جائے گا، اور ایک لمحہ کے لیے بھی توقف نہ کرے گا، لہذا عوام کو عموما اور خواص کو خصوصا وقت کی پابندی کرنی چاہیے۔ استاد کو چاہیے کہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ۲۴ گھنٹوں کو استعمال کرنے کی فہرست مرتب کرلے اور بیڈ روم کی دیوار پر اس کو نظر کے سامنے آویزاں کردے تاکہ نظر پڑتے ہی بھولنے کی ایکٹنگ نہ کرنی پڑے، یہ تو کسی بھی استاد کی عام معمولات زندگی کی بات ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب استاد کے لیے ضروری ہے کہ اس کے زیر تدریس جو کتابیں ہیں، سب پر غور کرلیں کہ کون سی کتاب مطالعہ کی زیادہ حقدار ہے، اس کو مقدم رکھیں تاکہ مطالعہ کا وقت ضائع نہ ہو، اور زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ پڑے کہ کون سی کتاب مطالعہ کے لیے پہلے اٹھائی جائے، اسی طرح گھنٹی کے اوقات کی پابندی بھی ایک متحرک استاد کی پہچان ہے۔

اخلاق حسنہ میں یکسانیت:

میں نے اس ذیلی ہیڈنگ میں اخلاق حسنہ کے بعد یکسانیت کے لفظ کا اضافہ کیا ہے، وہ اس لیے کہ بہت سے اساتذہ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اخلاق حسنہ کو اپنے مفاد سے جوڑنے لگتے ہیں، اور مواقع کے حساب سے اس کا استعمال کرتے ہیں، گویا اس عمل میں یکسانیت کو ملحوظ نہیں رکھتے، مثلا: کلاس میں دس طلبا ہیں، ان میں سے کسی کو اچھے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں اور کسی کے لیے نازیبا کلمات کا استعمال کرتے ہیں، کسی کے کان میں میٹھے بول کا رس گھولتے ہیں اور کسی کے کان کو اذیت سے دوچار کرتے ہیں، کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور کسی کا استقبال منہ بسور کر کرتے ہیں، کسی بھی شخص کی ایسی حرکت کو اخلاق حسنہ کا نام نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ اخلاق مند در حقیقت وہی کہلائے گا جس کا بول سب کے لیے یکساں ہو، جس کا میل جول سب کے ساتھ ہو، اس معاملے میں بھی کامیاب استاد کی پہچان پنہاں ہے۔

تدریسی لہجے کو خود جانچنا:

اگر آپ مدرس ہیں اور کارآمد مدرس کے روپ میں اپنے آپ کو پیش کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو آپ کو اپنی تدریس کے لہجے کی جانچ کرنی ہوگی اور خود سے اس کا ہر اعتبار سے غائرانہ جائزہ لینا ہوگا، اور اس زمانے میں یہ کام آپ با آسانی کرسکتے ہیں، کوئی ملٹی میڈیا موبائل اگر آپ کے پاس ہے تو آپ تدریس کے دوران اس کو اپنی جیب میں ریکارڈر آن کرکے رکھ لیں اور اپنے مخصوص انداز میں تدریس جاری رکھیں، جب تدریس کے عمل سے فارغ ہوجائیں تو اسے محفوظ کرلیں اور اپنے روم یا کسی خالی جگہ میں تنہائی کا موقع ملے تو ریکارڈ کی ہوئی باتوں کو ضرور سنیں، بلکہ اگر ایک سے زائد بار بھی سننے کی ضرورت محسوس کریں تو اس سے بھی گریز نہ کریں، پھر جب رات کو بستر پر دراز ہوجائیں تو اس پر غور وفکر کریں کہ کیا میرا لہجہ اور تدریس کا انداز صحیح ہے؟ اگر آپ کو اطمینان ہوجائے تو ٹھیک ہے ورنہ تدریس کا دوسرا لہجہ وضع کریں اور سمجھانے کے طریقے پر اپنے دھیان کی سوئی زیادہ گھمائیں، کیوں کہ تدریس کے لہجے کا دارومدار سمجھانے کے اسٹائل پر ہی زیادہ ہوتا ہے، تب بھی آپ

کامیاب نہ ہوں تو کسی بڑے استاد جن کی تدریس سے طلبا مطمئن رہتے ہیں ان کی طرف رجوع کریں اور مشورہ طلب کریں اور ممکن ہو تو ان کو ان کی تدریس ریکارڈ کرنے کو کہیں اور پھر اس کو خلوت میں بغور سماعت فرمائیں اور اپنے آپ کو اس کے لیے آمادہ کریں، مشق برابر جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کو تدریسی عمل کی تصویر بدلتی نظر آئے گی۔

اسلوب تدریس پر دھیان:

بعض لوگ اسلوب تدریس اور لہجۂ تدریس کو ایک ہی خانے میں رکھتے ہیں جب کہ دونوں میں نمایاں فرق ہے، لہجۂ تدریس کا تعلق القاء کلمات اور باتوں کی ادائیگی کے اسٹائل سے ہے اور اسلوب کا تعلق تدریس کے تدریجی مراحل سے ہے، مثلا: کتاب الحج کا درس دینا ہو تو مدرس پر ضروری ہے کہ اس کے لیے ذہن میں پہلے سے ایک خاکہ متعین کریں کہ تمہید کیا ہوگی، تمہید سے اصل الاصول کی طرف کیسے آئیں گے، تشریح میں کون کون سی بات کس ترتیب سے بیان کی جائے گی، یہ سب چیزیں اسلوب میں آتی ہیں۔

ضرورت سے زیادہ تشریح سے اجتناب:

پیچیدہ اور الجھی ہوئی عبارت کی تشریح لابدی امر ہے، اس کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب پڑھائی جانے والی کتاب طلبا کی مادری زبان سے ہٹ کر ہو، مثلا: کتاب عربی میں ہو اور تدریس کی زبان اردو ہو تو عربی زبان میں پیش کی ہوئی اصطلاحات اور مشکل عبارات کی تشریح ناگزیر ہے، تشریح بالکل نپی تلی ہونی چاہیے، بہت زیادہ ہو جائے تو اگل دینے کا خطرہ اور کم رہ جانے پر عدم شکم سیری کی شکایت، لہذا تشریح اس انداز کی ہو کہ نہ دماغ پھٹے اور نہ ہی پیشانی پر بل آئے، اصطلاحات کی تشریح کرتے وقت واضح مثالوں کا سہارا لیں اور مشکل عبارات کا حل قواعد کی روشنی میں کریں، گزری ہوئی چیز کی طرف محض اشارہ کافی ہے، اس کو بار بار پورا دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں، بار بار دہرانے پر بات طویل ہو جاتی ہے اور اہم چیزیں رہ جاتی ہیں۔

خوش مزاجی کا مظاہرہ:

خوش مزاجی صرف لبوں کی مسکراہٹ اور ہونٹوں کی کھلکھلاہٹ کا نام نہیں، بلکہ اصل خوش مزاج وہ ہوتا ہے جس کے ہونٹوں میں مسکراہٹ اس کے دل کی راہ سے ہو کر آتی ہے، اگر لب کھلا ہوا اور دل مرجھایا ہوا تو ایسی کھلکھلاہٹ کی نفسیات کے ماہرین کے نزدیک کوئی قیمت نہیں، اس لیے استاد کو چاہیے کہ دلی طور پر طلبا سے خوش مزاجی کا مظاہرہ کریں، ان شاء اللہ طلبا اپنے استاد کو آنکھوں کا تارا بنائیں گے اور دل سے ان کی پذیرائی بھی کریں گے۔

عصبیت کا عینک اتار دیں:

عصبیت کا عینک کسی استاد کے لیے تو درکنار کسی عام انسان کے لیے بھی مناسب نہیں، وہ استاد جو خود دوسروں کو عصبیت کی بیماری سے آزادی حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے خود کیسے اس بیماری کو اپنے لیے روا رکھے گا؟ اس کے سامنے

فرمان رسول "لیس منا من دعا إلی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة" موجود ہے، بس توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مدارس و یونیورسیٹیز میں ہر رنگ و نسل اور مختلف صوبوں، ضلعوں اور علاقوں سے طلبا حصول علم کے لیے آتے ہیں، لہذا استاد کو چاہیے کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے، سب کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور سب کو صحیح نصیحت سے نوازے۔ ملکی، صوبائی، ضلعی اور علاقائی خانوں میں ہرگز ہرگز انھیں تقسیم نہ کرے، بلکہ سب کی زندگی کو تابناک بنانے میں اہم رول ادا کرے، عصبیت کے دبیز پردے کو چاق کرے اور روشن زندگی کی شروعات کرے، ان شاء اللہ طلبا میں اس کا اچھا پیغام جائے گا، اور سب اپنی اپنی سطح پر تعلیمی میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

پورے طور پر مخاطب ہونا:

شخصیت کا اصلی چہرہ اس کے پورے طور پر مخاطب ہونے میں پوشیدہ ہوتا ہے، استاد جب طلبا کے سامنے محاضرہ پیش کرے یا درس دے تو طلبا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے اور نظریں نیچی رکھنے کے بجائے سامنے کی طرف تاکے، اور جس طرح کی بات بیان کرے اس کے مطابق اپنے آپ کو حرکت میں رکھے، تاکہ اگر کسی طالب علم تک کوئی بات واضح طور پر نہ پہنچ پائے تو استاد کا اشارہ اس کے لیے مفید ثابت ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ استاد کلاس میں آتے ہی کتاب کھول کر شروع ہو جاتا ہے، نہ دائیں کا خیال ہے نہ بائیں کی خبر، ایسے میں طلبا کے اندر سے جوش ختم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ استاد کے درس کو غور سے سماعت نہیں کرتے، لہذا ماہر استاد کو چاہیے کہ اس جانب توجہ دے۔

تدریس کی زبان میں مہارت:

تدریسی عمل میں زبان کو خاص اہمیت حاصل ہے، یہی زبان ترسیل کا کام کرتی ہے، اس کے ذریعہ سے طلبا تک درس منتقل ہوتا ہے، بولی خواہ کسی بھی زبان کی ہو، صاف وشفاف ہو، زبان میں لکنت نہ ہو، اور نہ ہی پر تکلف ہو، جس زبان میں تدریس کا فریضہ انجام دیا جائے اس میں استاد کو مہارت ہونی چاہیے، مثلا کتاب عربی میں ہو اور تدریس کی زبان اردو ہو تو اس کے لیے ایسا مدرس کامیاب مانا جائے گا جو عربی کے ساتھ ساتھ اردو کی بھی اچھی معلومات رکھتا ہو اور اچھی تعبیرات استعمال کرنے پر قادر ہو۔

نگاہ غفلت سے کلی اجتناب:

استاد جب کلاس میں داخل ہو تو سنجیدگی اور وقار کا خیال رکھے اور زبان سلام کے الفاظ سے تر ہو، پھر جب سیٹ پر پوری طرح جلوہ افروز ہو جائے تو گرد و پیش کا جائزہ ضرور لے، کون سا طالب کیسے بیٹھا ہے اس کی طرف دھیان دے اور سبق شروع کرنے سے پہلے سب کی توجہ مجتمع کرے، اس کے لیے ایسے جملوں کی مدد لے جن کے اندر طلبا کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو، یہی نہیں بلکہ دوران درس بھی استاد کی نگاہ غفلت کا شکار نہ ہو بلکہ چوکسی کے لبادے سے اپنی زینت

برقرار رکھے۔

سبق کا خلاصہ ضرور بتلائے:

پڑھائے گئے سبق کا ماحصل ضرور ہو، خلاصہ کے وقت پورے سبق کو ملحوظ رکھے اور سبق کو ماسبق سے بھی جوڑ کر سمجھائے، تاکہ کوئی تشنگی باقی نہ رہے، اگر فن حدیث ہو تو حدیثوں کا باب سے کیا تعلق ہے اس گوشے کو واضح کرے، اگر فن تفسیر ہو تو ایک آیت کی دوسری آیت سے مناسبت بتلائے، فن نحو وصرف ہو تو خلاصہ کے وقت مثالوں کا سہارا لے۔ الغرض ایک ماہر استاد پر ضروری ہے کہ سبق کے خلاصے کی افادیت واہمیت کو سمجھے اور طلبا کو زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔

طلبا سے تعلقات رکھیں دوستی نہیں:

طلبا اور اساتذہ کے درمیان خوشگوار تعلقات ہوں، لیکن دوستی نہ ہو، بہت سے مدرسین شعوری یا غیر شعوری طور پر تعلقات کو دوستی کی حد میں داخل کر دیتے ہیں، حالاں کہ اس سے وقت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ تعلیمی نقصان بھی ہے، کیوں کہ ظاہری بات ہے جب تعلقات دوستی میں بدل جائیں گے تو طالب علم پر سے استاد کا رعب ختم ہو جائے گا، جس کی وجہ سے استاد کی باتوں کا اثر بھی زائل ہو جائے گا، لیکن اگر صرف خوشگوار تعلقات رہیں گے تو طلبا، اساتذہ کی ہر بات کو اہمیت دیں گے اور دل سے ان کی عزت بھی کریں گے۔

سوالوں کا اطمینان بخش جواب:

اچھے اور کامیاب استاد کی پہچان یہ بھی ہے کہ طلبا کے سوالوں کو غور سے سنے اور اس کا مدلل جواب دینے کی کوشش کرے، زیادہ اقوال کی پیچیدگیوں میں طلبا کو نہ الجھا کر راجح ذکر کر دے، اگر کوئی جواب بروقت نہ بن پڑے تو آئندہ کل سوچ کر بتانے کا اطمینان دلائے اور وعدہ پورا کرنے کی کوشش کرے، سوالات سے ہرگز دامن نہ چھڑائے، اس سے طلبا کے اذہان صیقل ہوتے ہیں اور دماغ کے دریچے وا ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مدرسین کی خوبی اور خامی پر کوئی اچھا مدرس ہی خامہ فرسائی کر سکتا ہے، میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے جن جن چیزوں کو محسوس کیا ہے نوک قلم میں لانے کی کوشش کی ہے، اور بھی کچھ چیزیں تھیں، لیکن طوالت مضمون کے باعث اس سے اجتناب کیا گیا ہے۔ امید قوی ہے کہ تدریس سے منسلک حضرات تدریس کے مذکورہ اصولوں کو بروئے کار لا کر طلبا کی زندگی کو خوشگوار بنانے میں اہم رول ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

براعظم افریقہ: نئے دور میں

ڈاکٹر عبدالتواب خان

اگر افریقہ کو اسلامی براعظم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، اس لئے کہ جہاں ایک طرف عربوں کی ۶۰ر فیصد سے زیادہ آبادی یہیں پر بستی ہے، وہیں ۶۰ر فیصد سے زیادہ آراضی بھی عربوں کی ملکیت ہے۔ اسی طرح افریقہ کی مکمل آبادی کا تقریباً ۷۰ر فیصد مسلمان ہیں۔

اسرائیل اور مغربی ممالک نے افریقیوں کو بانٹنے کے لئے ایک نئی اصطلاح شمالی صحراء اور جنوبی صحراء کا وضع کیا ہے۔ شمالی صحراء سے مراد وہ ممالک ہیں جہاں عربی نسل کے لوگوں کی کثرت ہے اور جنوبی صحراء سے مراد وہ ممالک ہیں جہاں افریقی نسل کے لوگوں کی کثرت ہے۔

افریقہ صہیونی ذہنوں میں اسی وقت سے موجود تھا، جب انہوں نے یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن (اَرض المیعاد) بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ تھیوڈر ہرزل اور حائیم وایزمین نے یوگنڈا، کینیا، کانگو، زائیر اور موزمبیق جیسے ممالک کا نام یہودی وطن بنانے کے لئے پیش کیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۰۳ء میں سوڈان کو قومی وطن بنانے کے لئے تجویز پیش کیا گئی تھی، چونکہ اس وقت سوڈان برطانوی استعمار کے تحت تھا، اس لئے لارڈ کرومر کو باقاعدہ درخواست بھی بھیج دی گئی تھی لیکن بعد میں غور وخوض کے بعد فلسطین کو قومی وطن بنانے پر اتفاق ہوگیا، لیکن افریقہ یہودی ذہنوں سے کبھی نہیں نکلا۔ سب سے پہلا سبب تو یہ ہے کہ افریقیوں کی اکثریت جاہل ہے، ان کو ورغلانا اور ان کو کنٹرول کرنا آسان ہے۔ اس کے بعد پھر ان تمام اسباب کی باری آتی ہے، مثلاً یہ کہ براعظم قدرتی وسائل سے مالا مال ہے جہاں سے خام مال آسانی سے کوڑیوں کے بھاؤ مل سکتا ہے، اور پھر تیار شدہ مالوں کی یہاں پر کھپت بھی آسانی سے ہوسکتی ہے۔ وہ یہاں کے قیمتی مال مثلاً ہیرا، یورینیم، سونا اور پٹرول وغیرہ کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا ہے۔ اس براعظم کا محل وقوع بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، یہاں کے سمندری حدود سے افریقی اور خلیجی عرب ممالک پر نگاہ رکھی جاسکتی ہے، اور ان کو گھیرا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ افریقی ممالک کثرت تعداد کی وجہ سے اقوام متحدہ میں ووٹنگ کے لئے کافی وزن رکھتے ہیں۔

واٹر جنگ صہیونی ریشہ دوانیوں کا بہت ہی خطرناک ہتھیار بن گئی ہے۔ ایتھوپیا میں نیل ازرق (BLUE NILE) پر النھضۃ ڈیم (RENAISSANCE DAM) بنا کر مصر اور سوڈان کو پیاسا کرنے کا ایک خطرناک کھیل شروع کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جنوبی سوڈان نے اس موضوع پر خاموشی اختیار کر کے نیل اَبیض (WHITE NILE) پر جونہر نیل کی بنیادی گزرگاہ ہے، دو (۲) ڈیم بنانے کا منصوبہ پیش کر دیا ہے۔ یہ نومولود ملک جنوبی سوڈان جو بھیانک اقتصادی مصائب سے دوچار ہے، داخلی خانہ جنگی نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ ملک کی آمدنی کا واحد ذریعہ پٹرول کا ریٹ ڈاؤن ہونے کی وجہ سے تقریباً دو تہائی آبادی بھوک وپیاس سے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اس نازک وقت میں صدر سلوا کیر میار ڈٹ (SALRA KIIR MAYARDRT) نے عالمی برادری سے مدد کی درخواست کی۔ اسرائیل نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے سیاسی فوائد حاصل

کرنے کی کوشش کی ہے۔

عرب اس وقت آپسی کشمکش ومشکلات میں گھرے ہوئے ہیں جس نے انہیں مستقبل کے بارے میں سوچنے سے روک رکھا ہے، جبکہ دوسری طرف صہیونی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ اسرائیل عربوں کو گھیرنے کے لئے افریقیوں سے اپنے تعلقات مضبوط سے مضبوط تر بنا رہا ہے۔ خاص طور سے مصر وسوڈان کا گلا گھونٹنے کے لئے دریائے نیل کا سہارا لے رہا ہے۔ وہ ممالک جو دریائے نیل کا منبع ہیں انہیں مختلف قسم کی لالچ دے کر نیل پر صرف انہی کی ملکیت ہونے کا ناپاک وناجائز دعویٰ کروا رہا ہے۔ مختلف حیلوں سے ڈیم بنا کر نیل کے پانی کو مصر وسوڈان کی طرف آنے سے روکنے کے لئے خطرناک منصوبے بنا رہا ہے۔ وہ ایڈز جیسے مہلک وخطرناک مرض سے لڑنے کے لئے انہیں طبی امداد کی لالچ دیتا ہے۔ اوگنڈا، روانڈا، کینیا اور اتھوپیا میں آراضی کو زرخیز اور قابل کاشت بنانے کے لئے مختلف پروجیکٹ پر عمل پیرا ہے۔ مسلم جماعتوں، جنہیں وہ دہشت گردوں کا نام دیتا ہے، سے نپٹنے کے لئے جاسوسی وانٹیلی جنس مدد لے رہا ہے۔ اس طرح وہ دہشت گردی کا فرضی ہوا کھڑا کر کے مسلمانوں کو غیر مسلم بھائیوں سے ایک لامتناہی جنگ وکشمکش میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے، انہیں اسلحہ اور فوجی ٹریننگ دیتا ہے۔ اسرائیلی کمانڈوز روانڈا، کینیا، اتھوپیا، ارتریا اور کانگو میں ٹریننگ دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ یہاں کے لوگوں کو وہ اسرائیل میں لے جا کر فوجی تربیت دیتا ہے۔ اسی طرح ارتریا کے پہاڑ کی چوٹی پر رڈار لگا کر باب المندب سے گزرنے والی تمام کشتیوں اور بحری سرگرمیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔

۴/جولائی ۲۰۱۶ء کو اسرائیلی وزیر اعظم بنجامن نتنیا ہو نے اپنی اہلیہ اور ایک بڑے وفد کے ہمراہ چار افریقی ملکوں اوگنڈا، روانڈا، کینیا اور اتھوپیا کا چار روزہ دورہ کیا تھا۔ نتنیا ہو کا یہ دورہ ابتداء نہیں ہے بلکہ ۱۹۶۹ء میں لیوی اشکول نے اور ۱۹۸۷ء میں اسحاق شامیر نے افریقہ کا دورہ کیا تھا۔ نتنیا ہو کے موجودہ دورہ کی اہمیت کا اندازہ آپ اس کے بھاری حجم سے بھی لگا سکتے ہیں، اس میں چار ہوائی جہاز استعمال ہوئے تھے۔ ایک نتنیا ہو اور ان کے عملہ کے لئے، دوسرا اسرائیلی ایئر فورس کے لئے جس میں ۱۴۰/افراد سوار تھے، اور ہر کلس جہاز جس میں اس دورہ کی سیکورٹی کے ساز وسامان اور فیلڈ ہاسپٹل تھا، مزید نتنیا ہو کے قافلہ کی حفاظت کے لئے چھ کاریں جنہیں دورہ کے بعد تحفۃً تقسیم کر دیا جانا تھا۔ اس دورہ پر سات ملین ڈالر سے زیادہ خرچ ہوئے تھے۔ یہ اسرائیلی تاریخ میں اب تک کا سب سے مہنگا دورہ تھا۔ اس دورہ کا مقصد عنتیبی مشن کے چالیسویں سالگرہ پر شرکت کرنا تھا۔ عنتیبی مشن دراصل وہ فوجی کارروائی ہے جسے اسرائیلی فوج نے ۱۹۷۶ء میں اوگنڈا میں چند اسرائیلی یرغمالیوں کو آزاد کرانے کے لئے انجام دیا تھا جنہیں ایک فلسطینی گروپ نے اغوا کر لیا تھا۔ اس مناسبت سے اسرائیل کا اصل مقصد افریقی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط بنانا تھا۔ خاص طور پر حوض النیل کے آٹھ ممالک کے ساتھ جو نہر نیل کا چشمہ ہیں۔

یورپ میں اس وقت کافی بیداری آرہی ہے، اور جیسا کہ فائنینشیل ٹائمز کا کہنا ہے کہ یورپ میں اسرائیل کا دائرہ تنگ ہو رہا ہے۔ اسرائیلی جارحیت اور ظلم وبربریت کے خلاف بہت سی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، اس لئے اسرائیل نئے دوستوں کی تلاش میں افریقہ کی جانب دیکھ رہا ہے۔ اس وقت افریقہ میں ۵۴/ممالک ہیں، اس طرح اقوام متحدہ میں ان کے ۵۴/ووٹ ہیں، اور کسی بھی قرارداد کے پاس ہونے میں ان کا بہت بڑا اثر ہے۔ اسرائیل ان ممالک کو دوست بنا کر اس کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے جو اسے یورپی

ممالک میں سکڑتا نظر آرہا ہے۔

افریقہ کی اہمیت:

لیبیر یا وہ پہلا افریقی ملک ہے جس نے اسرائیل کے قیام کی تائید کی تھی، اور ۱۹۴۷ء میں جب فلسطین کی تقسیم کی قرارداد پاس ہوئی تو اس کی موافقت کی تھی۔ اس کے بعد سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات برابر پروان چڑھتے گئے۔ اس کے بعد بہت سے افریقی ملکوں نے لیبیر یا کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اتھوپیا جس کے آج اسرائیل کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں ۱۹۶۱ء میں اسرائیل کو باقاعدہ منظوری دی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ۱۹۵۵ء میں دونوں کے قنصل سطح کے تعلقات قائم ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کی قرارداد کی حمایت میں ووٹنگ سے اس نے اپنے آپ کو الگ رکھا تھا، دوسرے لفظوں میں تقسیم فلسطین کے خلاف تھا۔

۱۹۶۷ء کے آخر تک افریقہ میں اسرائیل کے ۳۲ رڈپلومیٹک مشن تعینات ہو چکے تھے، اور اس مرحلہ میں سفراء کا آپسی تبادلہ بڑے پیمانہ پر ہو چکا تھا۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء کے مابین اسرائیل کے سابق وزیر خارجہ گولڈ مائیر، لیبیر یا، گھانا، نیجیر یا اور سنگال جیسے افریقی ملکوں کا دورہ کر چکی تھیں۔ اسی طرح ۱۹۶۲ء میں اسرائیل کے سابق صدر اسحاق نے پانچ افریقی ملکوں کا دورہ کیا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں اسرائیل کے سابق وزیر اعظم لیوی اشکول نے زائیر، اوگنڈا، لیبیر یا، سنگال اور مدغشقر کا دورہ کیا تھا۔ ستمبر ۲۰۰۹ء میں اسرائیلی وزیر اعظم لیبرمین نے پانچ افریقی ملکوں کا دورہ کیا تھا، اس کی ابتداء اتھوپیا سے ہوئی تھی، جہاں پر انہوں نے اسرائیلی اتھوپیائی اقتصادی فورم کا افتتاح کیا تھا، اس کے بعد اوگنڈا، روانڈا، گھانا اور نیجیر یا کا رخ کیا تھا، جہاں پر انہوں نے سیاسی اقتصادی امن اور عسکری میدان میں مختلف معاہدوں پر دستخط کئے تھے۔

افریقہ کو حد سے زیادہ اہمیت دینے کی وجہ اس کا اسٹریٹیجک محل وقوع ہے۔ یہ بحر احمر، بحر ابیض، بحر اٹلانٹک اور بحر ہند پر واقع ہے اور یہاں تین آبنائے پڑتے ہیں، جن کا عالمی تجارت پر بہت گہرا اثر ہے۔

افریقہ کے متعدد ممالک جنوبی افریقہ، اتھوپیا، زیمبابوے، کینیا اور جمہوریہ کونگو میں یہودیوں کی ایک بڑی کمیونٹی آباد ہے۔ اتھوپیا میں فلاشا یہودی بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ یہ اقتصادی ناحیہ سے دنیا کے سب سے فقیر یہودی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انتہائی راسخ العقیدہ بھی ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ یہودی تاریخ ہی کا ایک گمشدہ قبیلہ ہے۔ گزشتہ صدی کے اسّی کی دہائی کے نصف میں اسرائیل نے فلاشا یہودیوں کو بڑے پیمانے پر سوڈان کے راستے اسرائیل منتقل کیا تھا۔ اسی طرح یہ یہودیوں اور حبشیوں کے مابین ایک تاریخی رابطہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سلیمانؑ نے مملکت اکسوم کی رانی بلقیس سے شادی کی تھی، جس سے اتھوپیائی بادشاہوں کی ایک لمبی نسل چلی تھی، اور ان کی رگوں میں آج بھی اولاد صہیون کا خون گردش کر رہا ہے۔

اتھوپیا میں ارتھوڈکس نصاریٰ کی کل آبادی ۵۰ رفیصد کے آس پاس ہے، جن کا یہودی قوم کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے۔ اتھوپیائی نصاریٰ اسرائیل کو مقدس سرزمین مانتے ہیں۔ وہ یہودیوں کے متعلق مثبت نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ملکۂ سبا نے قدس میں سلیمانؑ کی زیارت کی تھی۔ اتھوپیا کی قیصری خاندان سلیمانؑ ہی کی طرف منسوب ہے۔ ۱۹۳۶ء میں جب اٹلی نے اتھوپیا پر قبضہ کر لیا تھا، اس وقت شہنشاہ ہیلا سلاسی قدس گئے تھے، اور وہاں کچھ وقت تک ٹھہرے تھے۔ اس وقت فلسطین میں موجود یہودی نوآبادکاروں نے ان کا زبردست استقبال کیا تھا۔ جب برطانوی فوج نے اٹلی فوج کو شکست دے دی تو مئی ۱۹۶۱ء میں ہیلا سلاسی

اپنے وطن اتھوپیا واپس آ گئے۔ اٹلی کو شکست دینے کے لئے کچھ یہودیوں نے بھی برطانوی فوج کا ساتھ دیا تھا۔ یہ خیالات ایک اسرائیلی ڈپلومیٹ ڈکٹر آریہ عودید کے ہیں، ان کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے یہ سب تاریخ کے اوراق پر نقش ہیں، لیکن یہ بات طے ہے کہ اسرائیل ان ہی جیسے خیالات کا سہارا لے کر آج اتھوپیا کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ کیونکہ افریقن آرگنائزیشن کا ہیڈکوارٹر ادیس ابابا ہی میں ہے، اور یہاں پر اسرائیل کا سفارت خانہ بھی موجود ہے، مزید یہاں پر اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کی ایک یونٹ بھی قائم ہے، اس لئے وہ اس آرگنائزیشن کے لیل ونہار پر نظر رکھنے میں بہت حد تک کامیاب رہا ہے۔ اور خود آریہ عودید نے اعتراف کیا ہے کہ اسرائیل اس آرگنائزیشن کی بڑے پیمانے پر جاسوسی کر رہا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں یہودی سرمایہ کاروں کا ایک گروپ ترقیاتی مواقع کا جائزہ لینے کے لئے اتھوپیا آیا، جس کا مقصد منگستو حکومت کو قانع کرنا تھا کہ یہودیوں کی نقل مکانی کو آسان بنایا جائے۔ بالآخر ۳۵ ملین ڈالر کے بالمقابل (جسے امریکی یہودیوں نے جمع کیا تھا) لاکھوں اتھوپیائی یہودیوں کو اسرائیل منتقل کرنے پر اتفاق ہوگیا۔

۲۲ جنوری ۲۰۰۷ء سے اتھوپیائی یہودیوں کے لئے، اتھوپیائی ٹیلی ویژن کا آغاز کیا گیا، جس کا مقصد اتھوپیائی یہودیوں کی شناخت وثقافت کی حفاظت کرنا تھا۔ تجارتی ناحیہ سے دونوں ملکوں کے تعلقات کا عالم یہ ہے کہ اس وقت اسرائیل کی مجموعی سرمایہ کاری ایک ارب ۵۷ ملین ڈالر سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس نے اسلحہ کے درآمد اور برآمد سے آگے بڑھ کر ایک اسلحہ فیکٹری ہی یہاں پر قائم کر دیا ہے۔

مصر میں افریقن انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈائرکٹر فلیفل نے ایک اہم نقطہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسرائیل کے اتھوپیا کے ساتھ بہت گہرے تعلقات ہیں، لیکن یہ روابط صرف حکومت کے ساتھ ہیں اور یہ ایک اقلیتی حکومت ہے جو مسلسل تین بار سے دھوکا دھڑی سے انتخابات جیتتی آ رہی ہے، لہٰذا حکومت کے باقی رہنے کی ضمانت کون دے گا؟ بلکہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حکومت کی حیثیت ایک استعمار کی ہے۔

شمالی افریقہ میں سفاردیم (SEPHARDI) فرقہ کے یہودی پائے جاتے ہیں، جو پندرہویں اور سولہویں صدی ہجری میں اسپین اور پرتگال سے آئے تھے۔ اسی طرح شمالی اور مشرقی افریقہ میں اشکینازی (ASHKENAZI) کے یہودی پائے جاتے ہیں جو انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں یہاں آئے تھے۔

جنوبی افریقہ کی یہودی کمیونٹی سب سے مالدار اور صہیونی اسٹیٹ کی سب سے زیادہ مدد کرنے والی کمیونٹی ہے۔ اس کا جنوبی افریقہ کی سیاست میں بہت گہرا اثر ورسوخ ہے۔ عالمی نقشہ پر اسرائیل کو وجود دلانے میں اس کمیونٹی نے بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ جنوبی افریقہ کی اقلیتی گوری حکومت نے ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء سے ہی اس نومولود ملک کا اعتراف کر لیا تھا۔ صہیونی لیڈر حاییم وایزمین اور جنوبی افریقہ کے اس وقت کے صدر جان کریسٹان نے ان دونوں ملکوں کے آپسی تعلقات کو مضبوط بنانے میں بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں جب سوئزرلینڈ کے شہر بازل میں صہیونی تحریک کی پہلی کانفرنس ہوئی تھی، اس میں جنوبی افریقہ کی اس یہودی کمیونٹی نے بہت بڑا رول ادا کیا تھا۔ ایک سوڈانی رائٹر اور براعظم افریقہ کے احوال کے ماہر عاصم فتح الرحمٰن نے اپنے ایک کتابچہ میں لکھا ہے کہ اسرائیل نے پہلا ایٹم بم جنوبی افریقہ کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔ (جاری)

☆☆☆

اڑ گئے ہوش جوانی کا وہ عالم دیکھا

عبدالرحیم محمد یونس بنارسی

انسانی زندگی کا سب سے اہم ترین دور جوانی کا دور ہوتا ہے۔اس دور میں انسان کے اندر نشاط وچستی اور طاقت وقوت کا لاوا پک رہا ہوتا ہے۔اس دوران خواہشات نفسانی انسان کو بہکانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔یہی وہ دور ہے جس میں انسان کو اپنی آنے والی زندگی کا رخ متعین کرنا ہے،اگر وہ خیر کا رخ کرتا ہے تو بھلائی دونوں جہاں میں قدم بوسی کرے گی، زندگی کا یہ لمحہ بڑا مختصر اور آزمائشوں سے لبریز ہوتا ہے ۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جینے کا نام

دور شباب:

عالمی ادارۂ صحت کے مطابق ۱۵ رسال سے ۲۴ رسال تک کی عمر کے لوگوں کو نوجوان کہا جاتا ہے۔اسی میں بچپن اور لڑکپن کے ادوار بھی شامل ہیں۔تاہم یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ ایک عمومی جائزہ ہے،اس سے اختلاف ممکن ہے۔

انسانی آبادی میں نوجوانوں کا تناسب:

World Population Statistics (آبادی کا اعداد وشمار رکھنے والی بین الاقوامی تنظیم) کے مطابق دنیا کی کل آبادی میں ۵۰ رفیصد آبادی ۲۵ رسال سے نیچے کی عمر پر مشتمل ہے،اس کا مطلب ہے کہ نوجوانوں کی آبادی بڑھتی ہی جا رہی ہے،ایسی صورت میں ان کی ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے۔

نوجوان کون:

نوجوان کی تعریف میں عربی کا صرف ایک شعر کافی ہوگا:

ليس الفتى من يقول كان أبى إن الفتى من يقول ها أنا ذا

جوان وہ نہیں جو کہے میرے باپ ایسے اور ایسے تھے، جوان تو وہ ہے جو خود کچھ کر دکھائے۔

جو لوگ باپ دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں اور پدرم سلطان بود کا نعرہ لگاتے ہیں وہ فکر وعمل ہر اعتبار سے بوڑھے ہوتے ہیں، جوان اور نوجوان نہیں ہوتے۔نوجوان تو وہ ہوتے ہیں جو کہتے نہیں، ڈینگیں نہیں مارتے، دعوے نہیں کرتے، گفتار کے غازی نہیں ہوتے، بلکہ عملاً کچھ کر دکھاتے ہیں اور کردار کے غازی ہوتے ہیں۔بقول علامہ اقبال ۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

زندگی کا مقصد اور نوجوان:

ڈاکٹر ابراہیم ناجی نے اپنی کتاب "Have You Discoverd its Real Beauty" (حقیقی

خوبصورتی کی جستجو) میں لکھا ہے کہ: ''میں نے ناروے کے ایک ہوٹل میں کرس نامی ایک شخص سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟'' انہوں نے حیران ہوکر جواب دیا کہ ''مجھ سے آج تک کسی نے بھی اس طرح کا سوال نہیں کیا اور میں نہیں جانتا کہ میری زندگی کا کیا مقصد ہے؟'' اور زندگی کا کوئی مقصد بھی ہوتا ہے کیا؟.....عصر حاضر کے جوانوں کا بھی کچھ ایسا ہی مسئلہ ہے۔

مقصد زندگی کے تعلق سے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں "Eat, Drink and Be Happy" کھاؤ، پیو اور عیش کرو۔ کیونکہ ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

کے پرفریب نعرے پر یقین وعمل ہے، جوانوں کی انھیں تن آسانیوں کو دیکھ کر اقبال کی آنکھوں کے آنسوان کے قلم سے جاری ہوگئے ؎

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہیں ایرانی لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

مقصد زندگی کے حوالے سے اسلام کا موقف بالکل واضح ہے لہٰذا جوانوں کی بابت قرآن وحدیث میں جو ہدایات وارد ہیں انہیں کی روشنی میں چند باتیں عرض ہیں:

اصحاب کہف کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نوجوانوں کا کردار اس طرح بیان کرتا ہے ﴿إنهم فتية آمنوا بربهم وزدناهم هدى﴾ (الکھف:۱۳) یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی۔ یہ وہ نوجوان تھے جنہوں نے وقت کے ظالم حکمراں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر برملا توحید کا اعلان کیا۔ اس شرکیہ ماحول میں انہوں نے جو کردار ادا کیا وہ تمام نوجوانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے۔

اسی طرح قرآن نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والے چند نوجوانوں کا تذکرہ کیا ﴿فما آمن لموسى إلا ذرية من قومه.....﴾ (یونس:۸۳) پھر موسیٰ پر ان کی قوم کے کچھ نوجوان ایمان لائے۔

آیت میں لفظ "ذرية" کا استعمال ہوا ہے جو بڑا معنی خیز ہے۔ دراصل اس خاص لفظ کے استعمال سے جو غرض ہے وہ یہ کہ اس پرخطر زمانے میں حق اور اہل حق کا ساتھ دینے کی جرأت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے ہی کی۔ انہی میں سے فرعون کی بیوی بھی ہیں، جنہوں نے کٹھن حالات میں بھی حضرت موسیٰ کی نبوت پر ایمان کا اعلان کیا۔ انہوں نے ظلم وکفر کا مقابلہ ایمان وصبر سے کیا ؎

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد (اقبال)

احادیث رسول ﷺ میں بھی نوجوانوں کے لئے رہنما اصول بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس: عن عمره فيم أفناه وعن شبابه فيم أبلاه وماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه وماذا عمل فيما عمل. (ترمذی:۲۴۱۶ وصححہ الألبانی) قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ سوال نہ کرلیا جائے (۱) عمر کن کاموں میں گنوائی؟ (۲) جوانی کی توانائی کہاں صرف کی؟ (۳) مال کہاں سے کمایا؟

(۴)اور کہاں خرچ کیا؟(۵)جو علم حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا؟۔

عہد شباب اللہ کی طرف سے ہر فرد کے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔اسی لئے اس کے بارے میں قیامت کے دن خصوصی طور سے پوچھا جائے گا۔اسی دور کے متعلق علامہ اقبال نے: ع'شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہے کاری' فرمایا ہے۔

عمر کے اس مرحلے میں صحابہ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔لہٰذا اسے غنیمت سمجھنا چاہئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اغتنم خمسا قبل خمس:حياتك قبل موتك وصحتك قبل سقمك وفراغك قبل شغلك وشبابك قبل هرمك وغناك قبل فقرك. (حاکم،صحیح الجامع الصغیر: ۱۰۷۷) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو (۱) اپنی زندگی کو موت سے پہلے (۲) صحت کو بیماری سے پہلے (۳) فرصت کو مشغولیت سے پہلے (۴) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (۵) خوشحالی کو ناداری سے پہلے۔

نبی ﷺ کے فرمان سے یہ سبق ملتا ہے کہ بڑھاپا آنے سے پہلے اپنی جوانی کی قیمت اور طاقت سے فائدہ اٹھالیں، انسان جوانی میں سب کچھ کرسکتا ہے، بڑھاپے میں مجبور ومعذور ہوتا ہے، دوسروں کا دست نگر ہو جاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جوانی کی عبادت کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اور عبادت گزار نوجوانوں سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل إلا ظله الإمام العادل وشاب نشأ فى عبادة ربه..... (بخاری: ۶۶۰) (سات قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا: انصاف پرور امام اور وہ نوجوان جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں بسر ہو.....) ظاہر ہے جو جوان ہے اس کو عبادت میں کوئی پریشانی لاحق نہیں وہ مکمل طور پر عبادت کے تمام ارکان ادا کرسکتا ہے۔جبکہ ضعیف وناتواں کی عبادت میں وہ بات نہیں وہ ہر جوڑ میں درد وتکلیف کے باعث رکوع وسجود کی ادائیگی میں دشواری سے گزرتا ہے۔اسی لئے اللہ کے نبی جناب محمد عربی ﷺ نے فرمایا: المومن القوى خير وأحب إلى الله من المومن الضعيف وفى كل خير.....(مسلم: ۶۷۷۴) طاقت ور مومن زیادہ بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے ناتواں مومن کے بہ نسبت گو ہر مومن میں خیر ہے۔

مومن قوی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اوامر کو بجالائے اور حتی الامکان نواہی سے بچے نیز حق کی دعوت اور راہ حق کی اذیتوں پر صبر کرے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

نبی ﷺ نے فرمایا: "إن الله ليعجب من الشاب الذى ليست له صبوة" (مسند احمد: ۴/۱۵۱،حسن) اللہ کو ایسے نوجوان پسند ہیں جن کے برے مشغلے نہ ہوں۔(صبوۃ کا لفظی معنی ہے کم عمری میں نادانی)۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

وہ ایمانی گروہ جو ابتدائے اسلام میں دار ارقم میں تھا، وہ کون لوگ تھے؟ وہ نوجوان ہی تھے۔ان کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئیں، ان کے پاؤں باطل سے دور، کثرت عبادت کے پتلے، جہاد وتبلیغ کے متوالے۔اسی جواں سال جماعت کے

ہاتھوں جنہوں نے مدرسۂ نبوی سے خوشہ چینی کی اسلام چہار دانگ عالم میں پھیلا۔

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

احد کے معرکے میں صحابہ کی جماعت سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے کہ مقابلہ باہر نکل کر ہو یا بستی میں رہ کر دفاع کیا جائے؟ مختلف آراء سامنے آئیں لیکن نوجوانوں کو باہر نکلنے پر اصرار رہا۔ بالآخر نبی ﷺ نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر ہی لیا اور نوجوانوں کی رائے قبول کر لی، تاکہ ان کے حوصلے بلند رہیں ان کی ہمتیں پست نہ ہوں، ان کی دل بستگی کے لئے ان کے جذبات کی پذیرائی فرمائی۔ تربیت کا یہی معاملہ نوجوانوں کے ساتھ اسلاف کا بھی رہا ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اپنی نوعمری کی وجہ سے خود کو حقیر نہ سمجھو، عمر رضی اللہ پر جب کوئی کٹھن مرحلہ پیش آتا تھا تو نوجوانوں کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے اور آپ کا مقصد ہوتا تھا کہ ان کا ذہن تیز ہو جائے۔ (عمر بن خطاب: شخصیت اور کارنامے، د.علی محمد الصلابی، ترجمہ: عبدالمعین مدنی، ص:۱۷۰-۱۷۱)

ماضی میں بھی طلبا کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور عقابی روح کو جلا بخشنے کا اکابرین کا یہی طرز تھا کیونکہ

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں (اقبال)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے نوجوانوں پر خاص توجہ دی ہے جس کی دوسرے اقوام و مذاہب میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قالوا سمعنا فتى يذكرهم يقال له إبراهيم﴾ (الانبیاء:۶۰) وہ کہنے لگے: ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ ہدایت کی دعوت دی اور بتوں کو مسمار کر یہ حجت قائم کی ﴿فاسألوهم إن كانوا ينطقون﴾ (الانبیاء:۶۳) تم لوگ ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔ اس طرح تن تنہا ان کا شرک سے ٹکرا جانا نسل نو کے لئے درس عبرت ہے۔

اسلام کو عالمی تہذیب بننے سے روکنے کے لئے بلکہ اس کے تہذیبی اثرات کو ختم کرنے کے لئے مغرب نے مسلم نوجوان کو اپنا شکار بنایا۔ خاص طور پر ان نوجوانوں کو جو مغربی تعلیم کے جویا تھے مغرب نے ان کے قلب و ذہن کی آبیاری اس طرح کی کہ وہ مغربی ثقافت کو قابل تقلید اور اسلامی وراثت کو باعث تحقیر سمجھنے لگے۔ ان نوجوانوں کے اخلاق و عادات کو مغربی سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش ہوئی تاکہ وہ اسلامی نام رکھنے اور اسلام سے وابستگی کا دم بھرنے کے باوجود اسلامی تہذیب کے نہ تو حامل بن سکیں اور نہ اس کی نمائندگی کر سکیں۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب و تعلیم یافتہ نوجوانوں کے بارے میں کہا تھا:

''موجودہ نسل کا نوجوان قومی سیرت کے اسالیب کے لحاظ سے بالکل نئے اسلوب کا ماحصل ہے، جس کی عقلی زندگی کی تصویر کا پردہ اسلامی تہذیب کا پردہ نہیں ہے۔ حالانکہ میری رائے میں اسلامی تہذیب کے بغیر وہ صرف نیم مسلمان بلکہ اس سے بھی کچھ کم ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کی دنیوی تعلیم نے اس کے مذہبی عقائد کو متزلزل نہ کیا ہو، اس کا دماغ مغربی خیالات کی جولان گاہ بنا ہوا ہے۔ میں علی روؤس الاشھاد کہتا ہوں کہ اپنی قومی روایات کے پیرایہ سے عاری ہو کر اور مغربی لٹریچر کے نشہ میں ہر وقت سرشار رہ

کراس نے اپنی قومی زندگی کے ستون کو اسلامی مرکز ثقل سے بہت پرے ہٹادیا ہے" (ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر: محمد اقبال)

ڈاکٹر مناظر احسن صاحب فرماتے ہیں: (یورپ میں) مسلم طلبہ کو اس لئے شراب وشباب کی راہ پر لگایا جاتا ہے کہ وہ واپس اپنے ملکوں میں جائیں گے تو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں گے اور اس مغربی تربیت کی بدولت مغربی تہذیب کو اپنے ملکوں میں پھیلائیں گے اور عوام ان کی نقالی کریں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے: "جس طبقہ کے ہاتھ میں اس وقت ان ممالک کی زمام کار ہے اس کی ذہنی ساخت، اس کی تعلیم وتربیت اور اس کی ذاتی اور سیاسی مصالح کا تقاضا ہے کہ ان ممالک میں مغربی افکار واقدار کو فروغ دیا جائے اور ان ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلایا جائے اور جو دینی تصورات، قومی عادات، ضوابط حیات اور قوانین وروایات اس مقصد میں مزاحم ہوں ان میں ترمیم وتنسیخ کی جائے اور بالاختصار ہی ملک ومعاشرے کو تدریجی طور پر (لیکن عزم وفیصلہ کے ساتھ) مغربیت کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔

(مذکورہ تینوں اقتباسات ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" ستمبر ۲۰۱۶ء ص: ۳۱-۳۲ سے ماخوذ ہیں)

چنانچہ مسلم دنیا میں مغرب کے خفیہ ایجنڈے، عریانیت، عیاشی اور فحاشی کو مختلف طریقوں سے پھیلایا گیا۔ تعلیم، کلچر، ادب، فنون لطیفہ، ذرائع ابلاغ سب کا سہارا لیا گیا۔

اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا (اقبال)

واقعہ یہ ہے کہ عمر کا یہ مرحلہ بہت ہی نازک مرحلہ ہوتا ہے، یہ دو دوروں کے بیچ ایک ایسا عبوری مرحلہ ہوتا ہے جس میں طاقت وقوت اور صحت اپنے عروج پر ہوتی ہے اور یہی دور ہدایت اور گمراہی کی شدید ترین کشمکش کا دور ہوتا ہے، یہیں پر فسق وفجور اور تقویٰ وطہارت کی معرکہ آرائی ہوتی ہے۔ اس دور میں نوجوان سے بڑے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں، ان کو تعمیری کاموں میں بھی لگایا جاسکتا ہے اور حیرت انگیز تعمیری کام لئے جاسکتے ہیں، اور تخریبی کاموں میں بھی لگایا جاسکتا ہے اور حیرت انگیز تباہیاں اور ہلاکتیں مچائی جاسکتی ہیں۔ (بحوالہ: دعوت تحریک وعمل (مجموعہ تقاریر) مولانا سید سلیمان ندوی، ص: ۱۵۳)

لہٰذا والدین کے ساتھ ساتھ علماء ودانشوران پر بھی نوجوان طبقہ کی کردار سازی اور ذہن سازی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نوجوانوں کے رجحان اور طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی نفسیاتی مسائل کا کامیاب حل پیش کرتے وقت نبی ﷺ کا تربیتی منہج سامنے ہونا چاہئے۔ طلبہ کے پیش نظر اقبال کی وہ نصیحت ہونی چاہئے جس میں وہ نئی نسل کو جھنجھوڑتے ہوئے علم نافع کی رغبت دلاتے ہیں۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو کتاب خواں ہے، مگر صاحب کتاب نہیں

☆☆☆

رشتوں کی الجھتی ہوئی ڈور

نسیم اختر عبدالمجید سلفی
مدرس مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ بہار

انسانی سماج رشتوں کی زنجیر میں بندھا ہوا ہے، جس طرح زنجیر کی ہر کڑی دوسرے سے مربوط ہوتی ہے اسی طرح انسان مختلف رشتوں کے تحت ایک دوسرے سے مربوط ہیں، یہی انسانی معاشرے کی امتیازی شناخت ہے اور سچ پوچھیے تو کائنات کی دلکشی ورعنائی بھی اسی کے دم سے ہے۔

اسی رشتے کے زیر اثر کوئی استاذ تو کوئی شاگرد، کوئی حاکم تو کوئی محکوم، کوئی والدین تو کوئی اولاد، کوئی شوہر تو کوئی بیوی، یہ تمام رشتے مل کر انسانی معاشرے کو مکمل کرتے ہیں اور یک گونہ توازن عطا کرتے ہیں۔

خالق کائنات فاطر الارحام نے رشتوں کے درمیان جذب وانجذاب کی وہ کیفیت رکھی ہے کہ اگر انسان اپنے رشتہ دار بالخصوص والدین سے مدت بعد ملتا ہے تو اس قدر خوشی ہوتی ہے جیسے ہفت اقلیم کی بادشاہت ہاتھ آ گئی ہو۔

ابراہیم واسماعیل علیہما السلام جب ایک عرصہ بعد سرزمین مکہ میں ملے تو لپک کر والہانہ انداز میں باپ بیٹے بغل گیر ہو گئے۔

مگر دور حاضر میں رشتوں کی پامالی دیکھ کر آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں، تہذیب نو نے اعلی سماجی قدروں پر تیشہ چلانا شروع کر دیا ہے، کہنے کو تو دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے اور ٹکنالوجی نے مراسلات ومواصلات کو آسان سے آسان تر بنا دیا مگر حضرت انسان کو ''ترقی پسند حیوان'' بنا دیا۔

مال وزر میں ترقی، منصب وعہدہ میں بڑھوتری، اقتدار کی ہوس، جاہ ومنصب کی حرص، حسد، راتوں رات دولت وشہرت اور عزت کی چوٹی پر پہنچنے کے جنون نے آدمی کو حد تہذیب سے نکال دیا اور رشتوں ناطوں کے تقدس کی دھجیاں اڑا دی۔

بیوی شوہر کی پوری جائیداد حاصل کرنے کے لیے اس کا خون کر بیٹھتی ہے، بیٹا اپنے باپ کے منقولہ وغیر منقولہ املاک کا تنہا وارث بننے کے لیے اسے ابدی نیند سلا دیتا ہے، رشتہ دار رشتہ دار کو دیکھ کر راستہ بدل لیتا ہے کہ کہیں کسی ضرورت کا سوال نہ کرے، اولاد والدین کو خرچ دینے کے ڈر سے اولڈ ہاؤس کے حوالے کر کے چلے آتے ہیں۔

نوعروس جوڑے ازدواجی زندگی کی پر کیف مسرتوں میں اس طرح مگن ہوتے ہیں کہ ماں باپ جیسے عالی قدر رشتے انہیں بھاری لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان سے اس قدر دور ہو جائیں کہ ان کی آہ وکراہ بھی نہ سنائی دے۔

عم رسول عباس ابھی کافر ہیں، اسیران بدر کے ساتھ گرفتار ہیں، مشکیں کس دی گئیں، رات میں ہولے ہولے سے

کراہنے کی آواز آتی ہے، رسول رحمت پیکر رأفت ﷺ بے چین ہوجاتے ہیں، آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، صحابہ کو پتہ چلتا ہے وہ گھبرا اٹھتے ہیں، آقا یہ آنسو کیسے؟ فرماتے ہیں چچا کے کراہنے کی آواز نے میری نیند اڑادی۔

یہ رشتے کی کشش ہی تھی جو غیر شعوری طور پر انسان کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی، یہ رشتے کی قوت تاثیر تھی جو عقل وشعور پر غالب آرہی تھی۔ مگر آہ! عصر حاضر کے ایجادات واٹس ایپ، فیس بک وغیرہ نے تو رشتوں کی ناقدری و پامالی میں آگ پر تیل کا کام کیا ہے، چیٹنگ، میسیج سینڈنگ، لائیک کمنٹ میں مشغول انسان اپنے گرد وپیش سے اس قدر غافل ہوتا ہے کہ نہ اسے فرائض وواجبات کی پرواہ ہوتی ہے نہ حقوق کی، حتی کہ پیاس سے تڑپتا عزیز کو پانی کا پیالہ تھمانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، صاحب فراش والدین کی خبر گیری سے بے نیاز وہ ایسے لوگوں سے دوستی Friendship میں لگا رہتا ہے جن سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور جو بوقت ضرورت کام بھی نہیں آسکتے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

وہ راہداریاں رہ رہ کے مجھے یاد آتی ہیں جن سے چل کر نانیہال پہنچا کرتا تھا، نانا نانی، ماموں ممانی بصد شوق سراپا انتظار ہے، ہماری راہ تکتے جونہی گھر کی دہلیز پہ قدم رکھتا لپک کر بانہوں میں اٹھالیتے اور سینے سے لگالیتے، رشتوں میں خلوص واپنائیت ہو تو ٹوٹے ہوئے دل بھی جڑ جاتے ہیں، مگر برا ہو حرص وہوس اور حسد کا جس نے رشتوں کی لطافت کو جھلسا کے رکھ دیا، قرابتیں عداوتوں میں بدل گئیں۔

آج مغرب کا خاندانی نظام پارہ پارہ ہوگیا ہے، طلاق کی شرح میں تشویشناک اضافہ نے کتنے ہی خاندانوں کو اجاڑ دیا، بچوں کو اپنے والدین کا پتہ نہیں، وہ خود کو لاوارث محسوس کرنے لگے ہیں، رنج وغم کے لمحات میں انہیں دلاسا دینے والا کوئی نہیں، ان کی خوشی میں شریک ہونے والا اور ان کی حالت زار پہ رونے والا کوئی نہیں، خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرنے کے بعد مغرب جس طرح سے بے گھر ہوگیا ہے اور سکون کی تلاش میں دور کی ٹھوکریں کھا رہا ہے اس نے پھر انہیں احساس دلا دیا ہے کہ دیرینہ خاندانی نظام جسے وہ فرسودہ اور دقیانوس کہتے تھے واپس اسی کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ حقیقی سکون واطمینان اس میں ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم:۲۱) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ، اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ نیز ارشاد ہے: ﴿وَاللّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ﴾ (النحل:۷۲) اللہ تعالی نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا

پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ تعالی کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے۔

رشتے کی خوبصورتی تحمل و برداشت میں ہے، عفو و درگزر میں ہے، رشتہ نبھانے میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو عالی ظرف اور فراخ دل ہو، عزیزوں کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کا ہنر رکھتا ہو۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اس باب میں اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ اس نے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، فرمایا اگر کسی مسلمان کا رشتہ دار کافر بھی ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی جائے: ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلى أَن تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً﴾ (لقمان:۱۵) اور وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا۔

آج کچھ لوگ جب علم و دانش، جاہ و منصب یا دولت و شہرت میں بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنی دیرینہ نسبتوں اور رشتوں کے اظہار میں عار محسوس کرتے ہیں، وہ ماں باپ جنھوں نے غربت و عسرت کی سختیاں جھیل کر بچوں کو اعلی تعلیم دلوائی، آنکھوں میں کتنے ہی حسین خواب سجائے، مگر بڑے عہدوں پر پہنچ کر یہ بچے والدین کی توقیر و احترام تو کجا انہیں والدین کہنے میں سبکی اور خفت محسوس کرتے ہیں، مجلس میں باپ ملاقات کے لیے آجائے تو پوچھنے والے سے کہہ دیتے ہیں: "This is my butler' یہ میرا باورچی ہے۔

حتی کہ وہ پسماندہ علاقے، جہاں کی سرزمین ان ''روشن خیالوں'' کی ترقی کی اولین سیڑھی ہوتی ہے، سے جب بڑے شہروں کا رخ کرتے ہیں اور اپنا معیار زندگی بلند کر کے وہیں آباد ہو جاتے ہیں تو آبائی وطن اور علاقے ان کے لیے اچھوت ہو جاتے ہیں، شناسا اجنبی بن جاتے ہیں، طرز کلام بدل جاتا ہے، ڈاکٹر بشیر بدر کی زبان میں:

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو

خود غرضی، مادہ پرستی، حسب جاہ و اقتدار کی کوکھ سے جنم لینے والی ایک سنگین برائی قطع رحمی ہے: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ (محمد:۲۲) اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔

رشتوں میں بگاڑ کا اصل سبب غرض مندی، مفاد پرستی اور انانیت ہے، اس لیے رشتہ استوار کرنے میں اخلاص وللّٰہیت ضروری ہے۔

ایک دوسرے سے تعلقات رکھیں توقعات نہیں، رشتوں کے استحکام میں قناعت اور کثرت طلب سے گریز ناگزیر امر ہے، رشتہ نبھانے کا صلہ اور اجر اس دنیا میں طلب نہ کریں بلکہ آخرت میں اجر عظیم کی صورت میں حاصل کریں۔

رشتہ بننے میں اچھا خاصہ وقت لگتا ہے مگر بگڑنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی، اس لیے رشتہ جوڑنے اور توڑنے میں اعتدال کا ہونا ضروری ہے۔ "أحبب حبيبك هونا ما عسى أن يكون بغيضك يوما ما وأبغض بغيضك هونا ما عسى أن يكون حبيبك يوما ما" (الترمذی: ۱۹۹۷، باب ما جاء فی الاقتصاد فی الحب، وصححہ الالبانی) اپنے دوست سے قدرے احتیاط سے دوستی کرو اس ڈر سے کہ وہ کبھی تمہارا حریف بن جائے اور اپنے حریف سے قدرے احتیاط سے مخاصمت رکھو اس امید میں کہ وہ کبھی تمہارا دوست بن جائے۔

بیوی جب شوہر کی نافرمانی کرنے لگے تو طلاق سے پہلے شریعت نے کچھ مقدمات ذکر کیے ہیں کہ پہلے انہیں عمل میں لایا جائے پھر طلاق جیسا آخری قدم اٹھایا جائے تاکہ برسوں کی دیرینہ رفاقت لمحوں میں توڑ کر شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

﴿وَاللَّاتِیْ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِیْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيّاً كَبِيْراً، وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيْدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيْماً خَبِيْراً﴾ (النساء:۳۴-۳۵)

(۱) نصیحت: بیوی کی نافرمانی پر اولا اسے نصیحت کی جائے، سمجھایا بجھایا جائے اگر اس سے بات بن جاتی ہے تو ٹھیک۔

(۲) اگر اس کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے۔

(۳) بستر کی علاحدگی جیسی دل آزار سزا کے بعد بھی اگر ہوش کے ناخن نہیں لیتی تو اسے ہلکی مار ماری جائے، اب اگر اپنی اصلاح کر لیتی ہے تو اچھی بات۔

(۴) ان تمام کوششوں کے بعد بھی اختلاف باقی رہ جائے اور صورت حال کشیدہ ہو جائے تو بغرض اصلاح فریقین کی جانب سے ایک ایک حکم متعین کر کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کی جائے، اگر یہ محنت رنگ لاتی ہے تو فبہا، بصورت دیگر اسے اس طہر میں جس میں اس سے قربت نہیں کی ہے ایک طلاق دے اور گھر سے نہ نکالے بلکہ اسے اپنے ہی گھر میں رہنے دے اور اس کے اخراجات بھی برداشت کرے۔

ان تمام تدریجی مراحل سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام انسانی رشتوں کا خوب احترام کرتا ہے اور رشتوں کے بقاء واستحکام کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، مغرب کی طرح نہیں جہاں رشتے متاع کوچہ وبازار کی مانند خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔

رشتوں کی ڈور الجھتی ضرور ہے مگر سلجھتی بھی جلد ہے، اگر ضد، عناد، مادہ پرستی، انانیت اور خود بینی ختم کر دی جائے اور اخلاص، دردِ دل، بے لوثی اور بے غرضی پیدا کر لی جائے، رشتوں کے تصادم سے درد تو ملتا ہے پر:

اس درد کی دوا بھی وہیں سے ملتی ہے
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

☆☆☆

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

تحریر: طارق اسعد/فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر قوم کی تاریخ اس کے لیے سرمایہ افتخار ہوا کرتی ہے۔ تاریخ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو ایک امت کے ماضی اور حال کے درمیان رابطہ اور اس کے اچھے برے مستقبل کا ضامن ہے۔ جملہ اقوام عالم احوال گذشتہ کے تجربات کی روشنی میں اپنے مستقبل کے خطوط متعین کرتی ہیں، ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتی ہیں اور ان کے اعادہ سے باز رہتی ہیں۔ اسلاف کے کارنامے اور ان کی جدو جہد کی داستانیں افراد ملت کے جوش وولولے کو ہمہ وقت مہمیز لگاتی رہتی ہیں، ان کے نقوش پا کی پیروی کی دعوت دیتی ہیں اور ان کے جلائے ہوئے چراغوں سے روشنی حاصل کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ دوسری طرف تاریخ ہمیں خود شناسی کا ہنر سکھاتی ہے، ہمیں اپنے آپ سے متعارف کراتی ہے اور ہمارے دلوں میں ہمہ وقت یہ احساس پیدا کرتی رہتی ہے کہ ہماری نسبت کن لوگوں سے ہے؟ ہم کس کے مقتدی اور پیرو ہیں اور ہمارا راہبر وراہنما کون ہے؟

اگر کسی قوم سے اس کا یہ عظیم سرمایہ چھین لیا جائے یا اس کے بڑے حصے سے محروم کر دیا جائے تو اس کا وجود من حیث القوم اس سرزمین سے مٹ جائے گا، وہ ایک زندہ لاش کی طرح ہو جائے گی جس کا جسم تو بظاہر حرکت کرتا ہوا نظر آئے گا مگر اس کے اندر روح نہیں ہوگی، اس کی عظمت کی داستانیں، فتوحات کے فسانے، علمی وفنی ترقیات کے زمزمے، سیاسی وتمدنی عروج کے ترانے جب اس کے پاس نہیں ہوں گے تو وہ اپنی موت آپ ہی مر جائے گی۔ کیوں کہ اب اس کے پاس اپنا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا، وہ اب ہر معاملے میں دوسروں کی محتاج نظر آئے گی، اس کی نگاہیں ہمہ وقت اغیار کے کارناموں پر مرکوز ہوں گی اور پھر احساس کمتری کا موذی مرض سرطان کی طرح اس کے جسم وروح میں سرایت کر جائے گا اور رفتہ رفتہ اس کی قوت فکر وعمل فنا ہو جائے گی۔

بدقسمتی سے برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنے تاریخی سرمایے سے بے خبر یا غافل ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا تاریخ رہی ہے؟ اس ملک میں ان کی حکومت وفاتحین کے کیا کارنامے ہیں؟ علمی وفنی ترقیات میں ان کی کیا حصہ داری ہے؟ جنگ آزادی میں ان کا کیا کردار رہا ہے؟ دینی علوم کی نشر واشاعت اور ترویج وتبلیغ میں کن کا ہاتھ ہے اور وہ کون لوگ تھے جن کے ہاتھوں نے جہاد بالقلم والسیف کی وہ تاریخ رقم کی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے؟ ان میں سے اکثر سوالوں کا جواب شاید ہمارے پاس نہیں ہوگا!

ہم یہاں پر خصوصی طور پر اس طائفہ حقہ اور جماعت منصورہ کا ذکر کرنا چاہیں گے جو ہمیشہ سے اغیار کے نشانے پر رہی ہے اور جس کے عظیم الشان کارناموں پر ''بہی خواہوں'' نے ہمہ وقت پانی پھیرنے کی سعی مذموم کی ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ اس جماعت کے کارناموں پر پردہ ڈال کر اس کی آنے والی نسلوں کو ماضی کے تسلسل سے کاٹ دیا جائے، اس ضمن میں تاریخ

نویسی کے بجائے تاریخ سازی کی وہ مثالیں قائم کی گئیں کی وضاعین وکذابین کی دروغ گوئیاں تازہ ہوگئی۔اغیار نے جو کھیل کھیلا وہ اپنی جگہ پر لیکن سوال یہ برقرار رہتا ہے کہ ہم نے اپنی تاریخ کو بچانے اور اپنے ماضی کی حفاظت کے لیے کتنی کوششیں صرف کیں؟

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

ہندوستان کی سیاسی، علمی، سماجی اور مذہبی تاریخ کا ہر ورق جماعت اہل حدیث کی گوناگوں خدمات کے ذکر کے بغیر ادھورا ہے۔ ہندوستان کی مختلف تحریکات میں اس جماعت کا ناقابل فراموش کردار رہا ہے۔مولانا عبدالحمید رحمانی لکھتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی حریت فکر کی خاطر قلمی کاوشوں، حضرت علامہ فاخر زائر الہ آبادی رحمہ اللہ کی علمی جرأتوں، بطل جلیل حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی رسوم وبدعات کے خلاف علمی وعملی جدوجہد اور جذبہ سرفروشی نیز عملی جہاد اور مجدد عصر شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی انتھک ساٹھ سالہ تدریسی وتبلیغی تجدیدی مساعی نیز نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ کی تصنیفی، تالیفی اور علوم ومعارف اسلام کی نشر واشاعت سے پیدا شدہ روح حریت فکر کی روشنی میں نشو ونما پائی ہو جماعت اہل حدیث نے نہایت اخلاص کے ساتھ پروپیگنڈہ اور تشہیر سے بے پروا فکری، علمی، تبلیغی، سیاسی، اور عملی خدمات کا جو ڈیڑھ سو سالہ تاریخی اور عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اور اس سلسلے میں جتنی جانی ومالی قربانیاں اس جماعت نے پیش کی ہیں، کوئی دوسری جماعت اس کا عشر عشیر بھی نہیں پیش کرسکتی۔

ہندو پاک کی کوئی بھی دینی علمی، قومی یا سیاسی تحریک ان کے مؤثر کردار سے خالی نہیں! یہ حقیقت ہے جس کا اعتراف منصف مزاج مورخین مولانا سید سلیمان ندوی، شیخ محمد اکرام آئی سی ایس، مولانا غلام رسول مہر وغیرہ سب نے کیا ہے۔''

مولانا مزید لکھتے ہیں:

''کیا تحریک خلافت اور کانگریس سے مولانا عبدالقادر قصوری رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ، مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ، خواجہ عبدالمجید اور مولانا محمد اسماعیل سلفی وغیرہم کے نام محو کیے جاسکتے ہیں؟

اور کیا ندوۃ العلما کی تاریخ شیخ الاسلام علامہ امرتسری رحمہ اللہ، جنید وقت علامہ محمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ، مولانا عبدالجبار عمر پوری اور علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نیز دوسری منزل میں شمس المحدثین امام وقت علامہ شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ، مصلح وقت علامہ ابوسعید محمد سلیمان بٹالوی اور مولانا سید داؤد غزنوی، نیز علمی حیثیت سے فخر المتاخرین مولانا حفیظ اللہ صاحب اعظمی، شارح تصریح علامہ تقی الدین ہلالی، حضرت نواب سید صدیق حسن خان کے خاندان، آپ کے فرزند نواب علی حسن خان رحمہ اللہ مہتمم ندوۃ العلما اور آپ کے عظیم کتب خانہ کا نام لیے بغیر مکمل ہوجائے گی؟'' (ترانقش قدم دیکھتے

ہیں از سید ابوبکر قدوسی، ص: ۶۸، ۶۹)

برصغیر کی سیاسی، دینی، علمی اور قومی تحریکات میں جماعت اہل حدیث کا کیا حصہ رہا ہے اس کی ایک ہلکی جھلک مندرجہ بالا اقتباس میں دیکھی جاسکتی ہے۔ان میں سے متفرق موضوعات پر علمائے کرام کی مستقل تحریریں بھی موجود ہیں اور مختلف قسم کے مواد بھی جا بجا بکھرے ہیں۔لیکن صد افسوس کہ ہماری بے حسی اور تاریخ فراموشی نے ہمیں خود اپنے اس عظیم ورثے سے دور رکھا ہے۔ ہماری خواب غفلت کا فائدہ اٹھا کر کتنوں نے اپنے ستاروں کو آفتاب بنا ڈالا، کتنے خورد کلاں ہو گئے، کتنے معمولی حضرات ائمہ وقت کے خطابات سے نوازے گئے اور کتنے ناخدا خدائی کے دعویدار نظر آئے!

اس تحریر کا مقصد کسی کی خدمات کو کم دکھانا یا کسی پر نیش زنی نہیں ہے، بلکہ مقصود خواب غفلت سے بیدار کرنا اور تاریخ کے تئیں ہماری بے حسی کو دور کرنا ہے۔ آج کیا بات ہے کہ عوام کو چھوڑیے مدارس دینیہ سے منسلک بہت سارے افراد (معذرت کے ساتھ) اپنی تاریخ کے ایک بڑے حصے سے ناواقف نظر آتے ہیں۔ان کے سامنے سید نذیر حسین، نواب صدیق حسن خان، شمس الحق ڈیانوی، عبدالعزیز رحیم آبادی، محمد حسین بٹالوی کے نام آتے ہیں تو ان کے چہروں پر ناشناسائی کے آثار نظر آتے ہیں، ''حسن البیان''، ''معیار الحق''، ''تقویۃ الایمان''، ''حل مشکلات بخاری'' کے ناموں سے اجنبیت کا اظہار کرتے ہیں۔تحریک شہیدین، صادقان صادق پور اور تحریک مجاہدین سمیت دیگر مجاہدین کے تعلق سے واجبی سی معلومات کے آگے اور کچھ نہیں۔تحریک آزادی ہند میں لے دے کے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام یاد رہ جاتا ہے اور یہی تک معلومات منتہی ہو جاتی ہیں ؎

کیوں اپنی تاریخ سے نالاں ہیں اس شہر کے لوگ
ڈھہ دیتے ہیں جو تعمیر پرانی ہوتی ہے

تاریخ کے اس عظیم الشان سرمایے سے ہماری یہ بے گانگی اور اجنبیت نہایت ہی تکلیف دہ ہے۔ ہماری اس عدم واقفیت کی وجہ سے تاریخ سازی کی بڑی بڑی داستانیں رقم ہو رہی ہیں اور فسانوں کو حقیقت کا روپ دیا جا رہا ہے۔تمام قسم کی سیاسی، ملی خدمات کو ایک مخصوص طبقے کی جھولی میں ڈالا جا رہا ہے اور ہمیں احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تاریخ اہل حدیث کے تعلق سے کچھ انقلابی اقدام کیے جائیں، طلبہ وطالبات کو اپنی روشن تاریخ سے متعارف کرایا جائے، اس کے لیے وسیع پیمانے پر پروگرام منعقد کیے جائیں، علمی مسابقات کا اہتمام ہو، بطور خاص مدارس دینیہ میں اساتذہ وقتاً فوقتاً طلبہ کو اس جانب متوجہ کریں، ان کے سامنے اسلاف کے کارناموں کا ذکر کریں اور اس تعلق سے رہنمائی کریں۔ورنہ زیادہ غفلت کا نتیجہ بہت ہی بھیانک ہوگا ؎

یہ جبر بھی دیکھا ہے تاریخ کی نظروں نے لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

قبلہ اول مسجد اقصیٰ صرف مسلمانوں کا مقدس مذہبی مقام: اقوام متحدہ

نیویارک: اقوام متحدہ کے ادارہ برائے سائنس وثقافت ''یونیسکو'' نے مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کی طرف سے دائر کردہ ملکیت کا دعویٰ مسترد کرتے ہوئے اسے صرف مسلمانوں کا مقدس مذہبی مقام قرار دیا ہے، جس سے صہیونی ریاست تلملاہٹ کا شکار ہوگئی ہے، نیز اسی کے ساتھ اسرائیلی ذرائع ابلاغ میں سخت بے چینی پائی جارہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس پر یہودیوں کا دعویٰ باطل ہے۔ واضح ہو کہ یونیسکو میں قبلہ اول سے متعلق ہونے والی رائے شماری میں ۱۲۶ ممالک نے قرارداد کے حق میں جبکہ صرف ۶ نے مخالفت میں ووٹ دیا۔

یونیسکو کے ذریعہ منظور قرارداد میں صہیونی ریاست کے ذریعہ قبلۂ اول میں مسلمانوں کی عبادت میں رخنہ اندازی کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ (عالمی اخبار آن لائن)

کیلی فورنیا کے تعلیمی نصاب میں اسلامی تاریخ:

امریکی ریاست کیلی فورنیا کے تعلیمی بورڈ نے اپنے اسکولوں کے لیے نصابی ڈھانچہ کو منظوری دی ہے، جس میں پہلی مرتبہ قدیم ہندوستان پر کافی مواد شامل کیا گیا ہے، نیز اس کے علاوہ کچھ ایسے مواد کو حذف بھی کیا گیا ہے جس میں اسلامی تاریخ کو منفی انداز میں پیش کیا گیا تھا۔

کیلی فورنیا کا اسکولی نصاب معاشرتی سائنس اور تاریخ کو صحیح انداز میں پیش کرنے کے لیے اس میں نئی معلومات کا اضافہ اور غلط ومتنازعہ معلومات کو حذف کرنے والا یہ ڈھانچہ دو سال قبل تشکیل پایا تھا۔ کیلی فورنیا کے تعلیمی بورڈ نے اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والوں کی رائے پر مثبت ردعمل کا اظہار کیا اور اس ڈھانچہ میں دین اسلام سے متعلق غلط معلومات کو نصاب سے خارج کرتے ہوئے مسلمانوں اور اسلام کو مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ (صراط مستقیم برمنگھم: ۱۶/۹)

افریقہ میں دعوتی پیش رفت:

ایک خبر کے مطابق سعودی عرب کی ایک چیریٹی تنظیم نماء الخیریۃ کی جانب سے مغربی افریقہ کے ملکوں میں دینی ودعوتی کوششوں کی بدولت ہر ماہ ہزاروں افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، چنانچہ ۱۸/اگست کو نماء الخیریۃ کے داعی شیخ ناصر الغامدی کے ہاتھوں گھانا کے ایک دیہات کی آدھی آبادی نے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح اگست کے اوائل میں ایک ایسے دیہات میں ایک ہزار افراد نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، جہاں اس سے قبل صرف آٹھ مسلمان رہائش پذیر تھے۔ اس قدر تیزی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کے لیے مذکورہ تنظیم کی جانب سے اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مختلف کورس ترتیب دیئے جارہے ہیں، جو کئی ماہ پر مشتمل ہیں جن میں سعودی عرب سے مقامی زبان جاننے والے مبلغین اور دعاۃ تدریس کی غرض سے شریک ہورہے ہیں۔ (صراط مستقیم برمنگھم: ۱۶/۹)

☆☆☆

اخبار جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

جامعہ سلفیہ بنارس کے تعلیمی سال ۱۷-۲۰۱۶ء = ۱۴۳۸-۱۴۳۷ھ کی تعطیلات وامتحانات وغیرہ کا مجوزہ پروگرام حسب ذیل ہے۔ یہ پروگرام جامعہ کے ملحق مدارس کو پہلے ہی ارسال کیا جاچکا ہے۔

۱-آغاز سال نو ۱۷-۲۰۱۶ء ۱۷-۲۰۱۶ء = ۳۸-۱۴۳۷ھ	۱۶/جولائی ۲۰۱۶ء سنیچر ۱۰/شوال ۱۴۳۷ھ			
۲-امتحان داخلہ	۱۷/جولائی ۲۰۱۶ء اتوار ۱۱/شوال ۱۴۳۷ھ	تا تا	۱۸/جولائی ۲۰۱۶ء سوموار ۱۲/شوال ۱۴۳۷ھ	۲/دن
۳-یوم آزادی	۱۵/اگست ۲۰۱۶ء سوموار ۱۱/ذی القعدہ ۱۴۳۷ھ			۱/دن
۴-تعطیل عیدالاضحیٰ	۱۰/ستمبر ۲۰۱۶ء سنیچر ۷/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ	تا تا	۲۲/ستمبر ۲۰۱۶ء جمعرات ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ	۱۳/دن
۵-گاندھی جینتی	۲/اکتوبر ۲۰۱۶ء ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ			۱/دن
۶-تیاری امتحان ششماہی	۲۸/نومبر ۲۰۱۶ء سوموار ۲۷/صفر ۱۴۳۸ھ	تا تا	۴/دسمبر ۲۰۱۶ء اتوار ۳/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	۷/دن
۷-امتحان ششماہی	۵/دسمبر ۲۰۱۶ء سوموار ۴/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	تا تا	۱۸/دسمبر ۲۰۱۶ء اتوار ۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	۱۴/دن
۸-تیاری نتیجہ امتحان ششماہی	۱۹/دسمبر ۲۰۱۶ء سوموار ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	تا تا	۲۲/دسمبر ۲۰۱۶ء جمعرات ۲۱/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	۴/دن
۹-تعطیل ششماہی/سرما	۲۴/دسمبر ۲۰۱۶ء سنیچر ۲۳/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	تا تا	۱۵/جنوری ۲۰۱۷ء اتوار ۱۶/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ	۲۱/دن
۱۰-یوم جمہوریہ	۲۶/جنوری ۲۰۱۷ء جمعرات ۲۷/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ			۱/دن

۱۱-ہولی	۱۴/مارچ ۲۰۱۷ء منگل ۱۴/جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ			۱/دن
۱۲-تیاری امتحان سالانہ	۲۵/اپریل ۲۰۱۷ء منگل ۲۷/رجب ۱۴۳۸ھ	تا تا	یکم/مئی ۲۰۱۷ء سوموار ۳/شعبان ۱۴۳۸ھ	۷/دن
۱۳-امتحان سالانہ	۲/مئی ۲۰۱۷ء منگل ۴/شعبان ۱۴۳۸ھ	تا تا	۱۵/مئی ۲۰۱۷ء سوموار ۱۷/شعبان ۱۴۳۸ھ	۱۴/دن
۱۴-تیاری نتیجہ سالانہ	۱۶/مئی ۲۰۱۷ء منگل ۱۸/شعبان ۱۴۳۸ھ	تا تا	۲۲/مئی ۲۰۱۷ء سوموار ۲۴/شعبان ۱۴۳۸ھ	۷/دن
۱۵-تعطیل سالانہ/گرما/رمضان	۲۳/مئی ۲۰۱۷ء منگل ۲۵/شعبان ۱۴۳۸ھ	تا تا	۴/جولائی ۲۰۱۷ء منگل ۸/شوال ۱۴۳۸ھ	۴۳/دن
۱۶-آغاز سال نو ۱۸-۲۰۱۷ء=۳۹-۱۴۳۸ھ	۵/جولائی ۲۰۱۷ء بدھ ۹/شوال ۱۴۳۸ھ			
۱۷-امتحان داخلہ سال ۱۸-۲۰۱۷ء=۳۹-۱۴۳۸ھ	۸/جولائی ۲۰۱۷ء سنیچر ۱۲/شوال ۱۴۳۸ھ	تا تا	۹/جولائی ۲۰۱۷ء اتوار ۱۳/شوال ۱۴۳۸ھ	۲/دن

نوٹ: حالات وموسم کے پیش نظر مذکورہ پروگرام میں تبدیلی ممکن ہے۔

☆ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس تعلیم وتربیت کے معاملہ میں ہمیشہ حساس ومتحرک رہا ہے۔نصاب تعلیم وطریقۂ تعلیم پر نظر ثانی واصطلاح اور حالات کے حساب سے اس میں مناسب ردوبدل پر جامعہ کی ہمیشہ توجہ رہی ہے۔اسی سلسلہ کی ایک اہم کوشش جامعہ سلفیہ بنارس میں ۳۰-۳۱/ مارچ ۲۰۱۶ء بروز بدھ وجمعرات دوروزہ علمی اجتماع کا انعقاد تھا، جس میں کافی تعداد میں ملک کے دانشوران ملت، ماہرین فن، باشعور علماء کرام اور ذمہ داران مدارس وجامعات نے شرکت کی۔

دس نشستوں پر مشتمل دوروزہ مذکورہ علمی اجتماع میں مختلف مادوں کے نصاب تعلیم ومنہج تعلیم مرتب کرنے کے لیے چھ (۶)

کمیٹیاں باتفاق شرکاء اجتماع تشکیل دی گئیں تھیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلامی عقیدہ	**(۲) تفسیر وعلوم قرآن**
☆ ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی (صدر)	☆ ڈاکٹر عبدالرحمٰن لیثی (صدر)
☆ شیخ احسن جمیل مدنی (رکن)	☆ شیخ اسعد اعظمی (رکن)
☆ ڈاکٹر آر کے نور محمد مدنی (رکن)	☆ شیخ محمد اسلم مبارک پوری (رکن)
(۳) حدیث وعلوم حدیث	**(۴) فقہ واصول فقہ**
☆ ڈاکٹر عبید الرحمٰن مدنی (صدر)	☆ ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی (صدر)
☆ ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری (رکن)	☆ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی (رکن)
☆ شیخ مصطفیٰ مدنی (رکن)	☆ شیخ عبیداللہ طیب مکی (رکن)
(۵) عربی زبان وادب	**(۶) سیرت وتاریخ**
☆ شیخ صلاح الدین مقبول مدنی (صدر)	☆ ڈاکٹر عبدالحکیم مدنی (صدر)
☆ ڈاکٹر عزیر شمس مدنی (رکن)	☆ ڈاکٹر عبدالمنان شفیق مدنی (رکن)
☆ شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی (رکن)	☆ شیخ محمد مستقیم سلفی (رکن)

کمیٹیوں کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ وہ رائج نصاب کا جائزہ لے اور حالات حاضرہ کے مطابق مختلف جامعات کے نصاب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نیا جامع نصاب ترتیب دے۔ کمیٹی کے اخراجات سفر وضیافت کی ذمہ داری جامعہ کے ذمہ ہے۔ ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب کی یاددہانی کے بعد مولانا دل محمد سلفی نے کمیٹیوں سے رابطہ قائم کیا اور الحمدللہ ۳۰ ستمبر ۲۰۱۶ء و یکم اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ وسنیچر ''اسلامی عقیدہ'' کی کمیٹی کی مجلسیں منعقد ہوئیں اور فضیلۃ الدکتور محمد ابراہیم مدنی حفظہ اللہ کی صدارت میں ''اسلامی عقیدہ'' کی کمیٹی کے اراکین (فضیلۃ الشیخ احسن جمیل مدنی، وفضیلۃ الدکتور آر کے نور محمد مدنی حفظہما اللہ) نے کافی غور وخوض اور جدوجہد کے بعد ''اسلامی عقیدہ'' کے نصاب تعلیم ومنہج تعلیم کا ایک جامع خاکہ تیار کیا ہے۔ اس کے بعد تفسیر وعلوم قرآن سے متعلق جلد اجتماع منعقد ہوگا، ان شاء اللہ۔

(شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: سجدہ تلاوت کب کیا جائے؟ کیا تلاوت کے فورا بعد کرنا ضروری ہے یا بعد میں کرنے کی گنجائش ہے؟ اور اس کی دعا کیا ہے؟

الجواب بعون الله الحميد ومنه التوفيق والتسديد:

سجدہ تلاوت کے بارے میں وارد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ اس لیے سجدہ تلاوت آیت سجدہ کی تلاوت کے فورا بعد کرنا ضروری نہیں، اسے بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

قرأت على النبى صلى الله عليه وسلم ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى﴾ فلم يسجد فيها (بخاری: ۱۰۷۳ مسلم: ۵۷۷) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورہ نجم کی آیت (سجدہ) تلاوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قرأ يوم الجمعة على المنبر بسورة النحل، حتى إذا جاء السجدة نزل فسجد وسجد الناس، حتى إذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتى إذ ا جاء ت السجدة قال: يا أيها الناس، إنما نمر بالسجود، فمن سجد فقد أصاب، ومن لم يسجد فلا إثم عليه. ولم يسجد عمر رضى الله عنه. (بخاری: ۱۰۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر سورہ نحل کی تلاوت کی۔ جب سجدہ کی آیت آئی تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ پھر جب اگلا جمعہ آیا تو انہوں نے دوبارہ وہی سورت تلاوت کی۔ جب سجدہ کی آیت آئی تو فرمایا: اے لوگو! ہم سجدہ کی آیتوں سے گذرتے ہیں، لہذا جو شخص سجدہ کرے اسے اجر وثواب ملے گا اور جو سجدہ نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔

یہ واقعہ جمعہ کے دن صحابہ کرام کی ایک جماعت کے سامنے پیش آیا اور کسی نے نہ اعتراض کیا اور نہ اظہار تعجب۔ اس لیے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت کے عدمِ وجوب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ مغنی ابن قدامہ (۲/ ۳۶۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری - رحمہ اللہ - لکھتے ہیں:

فهذا حديث مرفوع وإجماع سكوتي – على طريقة الحنفية – من الصحابة على أن سجدة التلاوة ليست بواجبة. منة المنعم شرح صحيح مسلم (۱/ ۳۶۶) یہ حدیث مرفوع ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاموش رہنا حنفیہ کے طریقہ کے مطابق اجماع سکوتی ہے اس بات پر کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔

سجدہ تلاوت کے عدم وجوب کا یہی قول امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ہے۔ امام ابن حزم ظاہری نے

محلی (۳/ ۳۲۸) میں، ابن قدامہ نے مغنی (۲/ ۳۵۴، ۳۶۴-۳۶۵) میں، امام نووی نے شرح مسلم (۳/ ۳۸۸) میں، حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ۲/ ۶۴۹) میں، امام شوکانی نے السیل الجرار (۱/ ۲۸۷)) میں، مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی (۳/ ۲۰۹) میں، شیخ ابن باز نے فتاوی اسلامیہ (۱/ ۳۵۳) میں اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے منۃ المنعم شرح مسلم (۱/ ۳۶۶) میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اگر چہ سجدہ تلاوت سنت ہے مگر اس کا کرنا دو وجہوں سے افضل ہے۔

پہلی وجہ: یہ سنت ہے۔ دوسری وجہ: سجدہ کرنے سے شیطان روتا پیٹتا ہے۔ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم (۱۱۵) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سجدہ تلاوت سنت ہے۔ تلاوت کرنے والے کو آیت سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً سجدہ تلاوت کر لینا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے اسے مؤخر کر رہا ہے یا سرے سے سجدہ تلاوت ہی نہیں کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ مرد و عورت قرآن کی تلاوت کرتے وقت پلنگ یا تخت پر بیٹھے بیٹھے سجدہ تلاوت پلنگ یا تخت ہی پر قبلہ رو ہو کر آسانی سے کر سکتے ہیں تو کر لیں۔ انہیں نیچے اتر کر بیٹھنے اور پھر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر فوراً سجدہ کا انتظام نہ ہو سکے تو سجدہ کو مؤخر کر کے تلاوت ختم کر کے سجدہ تلاوت کر لیا جائے، مگر ایسا نہ ہو کہ اس کا خیال ذہن سے اتر جائے اور سجدہ رہ جائے۔ فتاوی شیخ الحدیث (۱/ ۳۲۹)

سجدہ تلاوت کی دعا یہ ہے:

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَه وَصَوَّرَه وَشَقَّ سَمْعَه وَبَصَرَه بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ، تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الخَالِقِيْن. اسے ابو داود (۱۴۱۴) ترمذی (۵۸۰، ۳۴۲۵) نسائی (۱۱۲۹، ۱۱۳۰) احمد (۶/ ۳۰، ۲۱۷) دار قطنی (۱۴۹۹) نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانی - رحمہ اللہ - نے اسے صحیح ترمذی (۴۷۴، ۲۷۲۳) میں صحیح کہا ہے۔

میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اپنی قوت و طاقت سے اسے پیدا کیا اور اس کی (بہترین) شکل وصورت بنائی اور اس کے کان اور آنکھ بنائے۔ بابرکت ہے اللہ تعالی جو نہایت عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔

سجدہ تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں ہے، اگر تلاوت کرنے والا باوضو نہیں ہے تو بھی سجدہ تلاوت کر سکتا ہے۔

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆